رؤف پاریکھ*

غالب، علم لغت اور قاطعِ برہان کا قضیہ

Ghalib, Lexicology and Controversy ensuing from *Qat‘e-i Burhan*

Abstract:

This paper examines the controversy sparked by Mirza Asadullah Khan Ghalib’s *Qat‘e-i Burhan*, a Persian prose work first published in 1862, in which Ghalib harshly criticized *Burhan-i Qat‘e*, a widely used Persian dictionary compiled by Muhammad Husain Burhan Tabrizi in 1652. A revised edition of Ghalib’s critique appeared in 1865 under the title *Dirafsh-i Kāwiyāni*, further intensifying the debate. The publication provoked numerous rejoinders—both in prose and verse—from defenders of *Burhan-i Qat‘e*, to which Ghalib also responded. While many Urdu critics have historically sided with Ghalib, portraying his criticism as justified and *Burhān-i Qāt‘e* as a flawed work, later scholars such as Qazi Abdul Wadood and Prof. Nazeer Ahmed have shown that Ghalib exaggerated the dictionary’s shortcomings. This paper argues that Ghalib’s knowledge of lexicography, lexicology, and Old Persian was limited, and that his critique included factual errors, partiality, and a disregard for scholarly decorum. It further highlights Ghalib’s use of coarse humour and satirical tone, often overlooked or downplayed by his admirers. The study draws on textual evidence from Persian and Urdu works written in response to *Qāt‘e-i Burhān*, challenging the perception of Ghalib’s authority in this scholarly dispute and drawing attention to the racial and cultural biases embedded in his critique.

Keywords: Mirza Asadullah Khan Ghalib, lexicology, Persian lexicography, Qat'e-i Burhan, Burhan-i Qat'e, Huzvarish, Dasatir.

مرزا اسد اللہ خاں غالب (۱۷۹۷ء-۱۸۶۹ء) نے اپنی زندگی میں جن ادبی معرکوں میں حصہ لیا ان میں سے ایک قاطعِ برہان کا قضیہ بھی ہے۔ اس کا آغاز غالب کی اُس کتاب سے ہوا تھا جو انھوں نے قاطعِ برہان کے نام سے فارسی میں لکھی تھی اور جس میں فارسی کی مشہور لغت برہانِ قاطع پر تنقید کی گئی تھی۔ قاطعِ برہان کا پہلا ایڈیشن ۱۸۶۲ء میں اور دوسرا ایڈیشن دِرَفشِ کاویانی کے نام سے غالب کی ترمیم و اضافوں کے ساتھ ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا۔

غالب کی اس کتاب کی اشاعت پر ادبی حلقوں میں ایک ہنگامہ سا برپا ہو گیا اور غالب کی کتاب کے خلاف اور بعد ازاں اس کی حمایت میں بھی کچھ کتابیں، کتابچے اور منظومات شائع ہوئیں۔ اس سارے قضیے پر اردو میں خاصا لکھا جا چکا ہے لیکن اس قضیے

میں غالب کی تحریروں اور ان کے رویے کا معروضی تجزیہ صرف چند ہی اہلِ قلم نے کیا ہے۔ کئی محققین اور ناقدین نے اس مسئلے پر غالب کی حمایت کی ہے اور ان میں الطاف حسین حالی(۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء)، غلام رسول مہر (۱۸۹۵ء-۱۹۷۱ء)، مالک رام(۱۹۰۶ء-۱۹۹۳ء)، شوکت سبزواری(۱۹۰۸ء-۱۹۷۳ء) اور بعض دیگر اہلِ علم بھی شامل ہیں۔ (ان سب کا ذکر آگے آرہا ہے)۔ غالب نے اس علمی بحث میں نسلی تعصب، علاقائی تعصب اور مذہبی تعصب کا بھی مظاہرہ کیا اور تضحیک و دشنام نیز فحش گوئی کو بھی روا رکھا۔ لیکن ان کے اس رویے کی مذمت ماسوائے ایک دو محققین کے کسی بھی ناقد یا محقق نے نہیں کی۔

جب کہ ہمارے جن محققین (بالخصوص قاضی عبدالودود اور پروفیسر نذیر احمد جیسے فارسی زبان و ادب پر گہری نظر رکھنے والے محققین) نے غالب کی غلطیوں، غلط فہمیوں اور ان کی لغت نویسی پر کم زور گرفت سے متعلق جو کچھ لکھا اسے زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔ اسی طرح امتیاز علی خاں عرشی(۱۹۰۴ء-۱۹۸۱ء)، شیخ محمد اکرام(۱۹۰۸ء-۱۹۷۳ء) اور اکبر حیدری کشمیری(پ:۱۹۲۹ء) نے غالب کی اغلاط واضح کی ہیں لیکن ان کی ان تحریروں کا ذکر بھی کم ہی ہوتا ہے (ان کا ذکر بھی آگے آرہا ہے)۔ اسی طرح ایوب قادری اور خواجہ احمد فاروقی نے بھی لغت نویسی اور فارسی دانی کے ضمن میں غالب کی نرگسیت کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن ان کی ایسی تحریروں کو بھی اہمیت نہیں دی گئی۔ اکثر ناقدین اور محققین نے قاطعِ برہان کے مناقشے میں غالب کے تضحیک آمیز رویے اور فحش گوئی کو بھی بڑی حد تک نظر انداز کردیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اردو ادب میں ایک عام تاثر یہی ہے کہ اس قضیے میں غالب حق پر تھے اور غالب کا یہ فیصلہ کہ برہانِ قاطع ایک ناقص لغت ہے، بالکل درست ہے۔ حالاں کہ اصل صورت حال یہ ہے کہ برہانِ قاطع میں اغلاط ضرور ہیں لیکن اس میں کئی خوبیاں بھی ہیں اور اسے نہ صرف اُس زمانے میں ایران میں مقبولیت حاصل تھی بلکہ حالیہ دور میں ایران کے معروف لغت نویس ڈاکٹر محمد معین نے برہانِ قاطع مرتب کرکے اس کا ایک محقق ایڈیشن شائع کیا۔ اگر برہانِ قاطع اتنی ہی ناقص ہوتی جتنی غالب نے کہا ہے تو فارسی کے اہلِ علم اس کی اتنی پذیرائی نہ کرتے۔

بے شک برہانِ قاطع پر غالب کے بعض اعتراضات بالکل درست تھے اور برہانِ قاطع کی اغلاط کی نشان دہی غالب سے پہلے بھی کچھ لکھنے والوں نے کی تھی نیز بعد ازاں بھی برہان پر تنقید ہوئی لیکن غالب کے اکثر اعتراضات بے بنیاد تھے اور اس کی ایک وجہ غالب کی غلط فہمی یا حقائق سے عدم واقفیت بھی تھی۔ مثلاً غالب دساتیر کو سند مانتے تھے کیوں کہ انھیں غلط فہمی تھی کہ دساتیر کوئی قدیم آسمانی صحیفہ ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دساتیر اکبری دور کی ایک جعلی کتاب ہے جو ایک خود ساختہ زبان میں لکھی گئی لیکن اسے یہ ظاہر کرکے پیش کیا گیا کہ یہ ایک قدیم آسمانی صحیفہ ہے جس کا خالص فارسی میں ترجمہ ساسانِ پنجم (ایک نام نہاد ایرانی پیغمبر) نے کیا ہے[۱]۔ یہ حقیقت محققین نے آشکار کی کہ دساتیر کوئی قدیم کتاب نہیں ہے بلکہ یہ ایک جعلی اور

فرضی کتاب ہے اور اس کو مذہبی متن ماننا بھی درست نہیں۔ بلکہ ایڈورڈ جی براؤن (Edward G. Browne۔ ۱۸۶۲ء-۱۹۲۶ء) نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ دساتیر جعل سازیوں کی بے شرمانہ مثالوں میں سے ہے[۲]۔

دوسرے یہ کہ غالب کے سامنے وہ لغات نہیں تھیں جن کی بنیاد پر برہانِ قاطع مرتب کی گئی تھی، جیسا کہ انھوں نے خود برہانِ قاطع کے دوسرے ایڈیشن (جو دِرَفشِ کاویانی کے نام سے شائع ہوا) کی ابتدا میں اعتراف کیا ہے۔ الطاف حسین حالی نے بھی لکھا ہے کہ قاطعِ برہان کی تسوید کے وقت غالب کے پاس برہانِ قاطع کے سوا کوئی لغت موجود نہ تھی[۳]۔ گویا غالب نے برہان پر تنقید سے پہلے کوئی تحقیق نہ کی تھی۔ غالب نہ تو قدیم فارسی زبان، پہلوی زبان اور ہُزوارِش کے مسائل و مباحث سے واقف تھے اور نہ لغت نویسی کے اصول و مبادی پر ان کی پوری گرفت تھی۔ البتہ غالب کے خلاف ردِ عمل سخت تھا اور اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ خود غالب نے بھی برہان پر تنقید کرتے ہوئے بہت درشت اور استہزائیہ انداز اختیار کیا تھا بلکہ فحش و دشنام سے بھی گریز نہیں کیا۔ لیکن غالب اور ان کے مخالفین نے بھی بہر حال بعض اہم علمی و لغوی نکات پیش کیے ہیں۔

برہانِ قاطع اور قاطعِ برہان پر یہ سارے مباحث بعض اہم علمی حقائق سے پردہ اٹھاتے ہیں اور فارسی زبان اور فارسی لغات کے علاوہ لغت نویسی کے بھی بعض اہم گوشے روشن کرتے ہیں۔ ان مباحث کا مطالعہ یقیناً دل چسپ ہے۔ چناں چہ اس سارے ادبی قضیے کو یہاں مع حوالوں کے اور غالب کے نامناسب اندازِ نگارش کو (ان کی اردو اور فارسی تحریروں کی مثالوں سمیت) پیش کیا جارہا ہے۔ متعدد ناقدین نے عمومی طور پر غالب کی لغت نویسی کو سراہا ہے لیکن اس مقالے میں ہماری کوشش ہوگی کہ برہانِ قاطع، قاطعِ برہان اور غالب کی علمِ لغت کی مہارت و لغت شناسی پر جو اعتراضات اہلِ تحقیق نے اٹھائے ہیں انھیں بھی پیش کیا جائے تاکہ برہانِ قاطع نیز قاطعِ برہان سے متعلق معروضی نقطۂ نظر سامنے آسکے۔

برہانِ قاطع: مختصر تعارف

فارسی کی معروف، متداول اور ضخیم لغت برہانِ قاطع کے مؤلّف محمد حسین تبریزی المتخلص بہ برہان کا تعلق دکن سے تھا۔ انھوں نے برہانِ قاطع ۱۰۶۲ ہجری / ۱۶۵۲ عیسوی میں بعہدِ عبداللہ قطب شاہ مرتّب کی جیسا کہ مؤلف کے قطعۂ تاریخ سے ظاہر ہے۔ انھوں نے اس لغت کی تاریخ اس مصرعے سے نکالی: "کتابِ نافعِ برہانِ قاطع" اور اس سے سال ۱۰۶۲ ہجری برآمد ہوتا ہے[۴] جس کی تطبیق ۱۶۵۲ء سے ہوتی ہے۔ محمد حسین برہان تبریزی دکن ہی سے تعلق رکھتے تھے لیکن آباؤ اجداد کی نسبت سے خود کو تبریزی کہلواتے تھے۔ گولکنڈہ میں قیام پذیر تھے اور فارسی میں شاعری بھی کرتے تھے۔ ان کے حالاتِ زندگی کہیں دست یاب نہیں اور دیوان بھی ناپید ہے[۵]۔

محمد حسین برہان نے برہانِ قاطع کی تالیف میں کئی فارسی لغات سے مدد لی، بالخصوص فرہنگِ جہانگیری

(از جمال الدین حسین انجو)، مجمع الفرس (از محمد قاسم سروری کاشانی)، سرمۂ سلیمانی (از تقی اوحدی) اور صحاح الادویہ (از حسین انصاری اصفہانی)[٦]۔ برہانِ قاطع کا پہلا ایڈیشن کلکتہ سے ۱۸۱۸ء میں شائع ہوا۔ اسے معروف مستشرق طامس روبک (Thomas Roebuck۔۱۷۸۱ء-۱۸۱۹ء) نے کئی کتابوں اور برہان کے تیرہ (۱۳) مخطوطوں سے موازنے کے بعد کرم حسین الحسینی بلگرامی کے مقدمے کے ساتھ شائع کیا تھا اور روبک نے اس کی تدوین میں متعدد ہندوستانیوں کے علاوہ دو ایرانیوں سے بھی مدد لی[٧]۔ بعد ازاں برہانِ قاطع کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ ڈاکٹر محمد معین نے برہانِ قاطع کا ایک تنقیدی اور مبنی بر تحقیق ایڈیشن تہران سے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا[٨]۔

برہانِ قاطع ایک ضخیم لغت ہے اور اس میں بیس ہزار سے زیادہ اندراجات ہیں[٩]۔ برہانِ قاطع کا مؤلف محمد حسین تبریزی اپنے وقت کا کوئی مشہور یا جیّد عالم نہیں تھا لیکن اس لحاظ سے بہت خوش قسمت تھا کہ اس کی وفات کے بعد برِ عظیم پاک و ہند میں فارسی کے انحطاط کا دور شروع ہو گیا اور اس وقت کوئی ایسی فارسی لغت موجود نہیں تھی جو حروفِ تہجی کی آسان ترتیب پر مبنی ہو اور اسی لیے برہانِ قاطع بہت مقبول ہو گئی[١٠]۔ یہاں تک کہ ایران میں بھی اس کے کئی قلمی نسخے دریافت ہوئے ہیں اور ایک نسخہ ایسا بھی ہے جو اصفہان میں ۱۰۹۸ ہجری (۸۷-۱۶۸۶ء) میں کتابت کیا گیا[١١]۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ برہانِ قاطع کی مقبولیت کا کیا عالم تھا۔ دراصل برہانِ قاطع کی مقبولیت کا ایک بڑا سبب اس کے اندراجات کی الف بائی ترتیب ہے جس کی اس دور میں سختی سے پابندی نہیں کی جاتی تھی اور بالعموم پہلے حرف کی بنیاد پر لغت کی ایک ہی تقطیع میں اس حرف سے شروع ہونے والے سارے الفاظ درج کر دیے جاتے تھے، مثلاً حرف 'ب' سے شروع ہونے والے الفاظ بغیر کسی خاص ترتیب کے ایک ساتھ لکھ دیے جاتے تھے۔ یہ ترتیب (بلکہ بے ترتیبی) قاری کے لیے الجھن کا باعث تھی اور اسے ایک لفظ تلاش کرنے کے لیے کئی اندراجات دیکھنے پڑتے تھے۔ اس زمانے میں مدار الافاضل، فرہنگِ جہانگیری اور فرہنگِ رشیدی جیسی محققانہ فارسی لغات موجود تھیں لیکن ان میں بھی حروفِ تہجی کی ترتیب بہت مشکل تھی بلکہ فرہنگِ جہانگیری میں تو لفظ تلاش کرنے والا پریشان ہو جاتا ہے[١٢]۔ لیکن برہانِ قاطع کی شہرت روز بروز بڑھتی گئی اور کسی نے یہ بھی نہ سوچا کہ دوسری فارسی لغات کے مقابلے میں برہان میں جو اضافی الفاظ ہیں وہ سب درست بھی ہیں یا نہیں[١٣]۔

برہانِ قاطع کی توصیف

کشمیر کے مشہور شاعر ملا ساطع کشمیری نے بارھویں صدی ہجری میں برہانِ قاطع کا خلاصہ حجتِ ساطع کے نام سے کیا جو بارھویں صدی ہجری میں بھی (یعنی اس کی تالیف کے کوئی دو سو سال بعد) اس لغت کی مقبولیت کا ثبوت ہے[١٤]۔ برہانِ قاطع کی تعریف و توصیف بعد میں آنے والے اہلِ علم نے بھی کی ہے اگرچہ چند ایک اساتذہ نے تعریف کے ساتھ کچھ تحفظات کا بھی اظہار

کیا، مثلاً محمد علی تربیت کا شمار ایران کے اہلِ علم میں ہوتا ہے اور انھوں نے اپنی کتاب دانش منندانِ آذربائیجان میں برہانِ قاطع کو جامع ترین فارسی لغت تو قرار دیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اس میں کچھ اجنبی اور غیر فارسی الفاظ بھی مندرج ہیں جو تصحیح و تنقیح کے محتاج ہیں[۱۵]۔ البتہ مرزا قتیل نے رقعاتِ قتیل میں برہان کو معتبر قرار دیا ہے[۱۶]۔ بعض یورپی ماہرین، مثلاً طامس روبک، جان مالکم (John Malcolm۔ ۱۷۶۹ء- ۱۸۳۳ء) اور بعض دیگر یورپی اہلِ علم نے برہانِ قاطع کو مستند تسلیم کیا ہے[۱۷]۔ قاضی عبدالودود (۱۸۹۶ء-۱۹۸۴ء) کے مطابق گیارھویں صدی ہجری میں برہان کے بکثرت قلمی نسخے ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ اسے مقبولیت ضرور حاصل ہوئی تھی اور قاضی صاحب کے مطابق عہدِ حاضر میں شاید ہی کوئی ایرانی محقق ہو جو برہان کا حوالہ نہ دیتا ہو[۱۸]۔ شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ انھوں نے ۱۹۵۲ء کے سفر ایران میں دیکھا کہ وہاں برہانِ قاطع کی بڑی قدر ہے لیکن غالب کی قاطعِ برہان سے لوگ عموماً واقف نہیں ہیں[۱۹]۔

عہدِ حاضر میں برِ عظیم پاک و ہند کے جو محققین فارسی میں درجۂ استناد پر فائز سمجھے جاتے ہیں ان میں علی گڑھ کے پروفیسر نذیر احمد بھی شامل ہیں۔ پروفیسر نذیر احمد نے برہانِ قاطع کی یہ خصوصیات بیان کی ہیں[۲۰]:

۱۔ اپنے عہد تک کی تمام فارسی لغات میں برہانِ قاطع سب سے ضخیم ہے اور اس میں جتنے الفاظ درج ہیں اتنے کسی اور فارسی لغت میں اس وقت تک درج نہیں تھے۔

۲۔ اس میں الفاظ کی ترتیب جتنی مستحکم ہے اتنی کسی اور لغت میں نہیں تھی [یعنی بلحاظِ حروفِ تہجی]۔

۳۔ اس میں الفاظ کے سارے معانی درج کیے گئے ہیں۔

۴۔ اکثر الفاظ کا تلفظ بھی دیا گیا ہے۔

برہانِ قاطع پر تنقید

دوسری طرف برہانِ قاطع پر تنقید بھی ہوئی ہے۔ برہانِ قاطع پر سب سے پہلے تنقید سراج الدین علی خان آرزو (۱۶۷۹ء-۱۷۵۶ء) نے کی تھی اور انھوں نے سراج اللغہ (۳۵-۱۷۳۴ء) میں برہان کی غلطیوں کی نشان دہی کی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ آرزو نے برہانِ قاطع اور فرہنگِ رشیدی کی اغلاط کے ثبوت میں سراج اللغہ تالیف کی اور یوں سراج اللغہ کی حیثیت لغت کے علاوہ تنقیدِ لغت کی ایک عمدہ مثال کی بھی ہے لیکن برہانِ قاطع بہت مشہور و مقبول ہو چکی تھی اور آرزو کی تنقید کی شہرت نہ ہوئی[۲۱]۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ برہان کی مقبولیت پر آرزو کی تنقید نے کوئی خاص اثر نہیں ڈالا ہو گا۔ بلکہ قاضی عبدالودود نے لکھا ہے کہ برہان کی خوش قسمتی کہ آرزو کی سراج اللغہ کو مقبولیت حاصل نہ ہوئی اور عام فارسی دانوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی کہ آرزو نے برہانِ قاطع سے متعلق کیا لکھا ہے[۲۲]۔

اسی طرح کسی نے سید احمد عاصم عنتابی کی تبیانِ نافع پر بھی اعتراض نہیں کیا جو برہانِ قاطع کا ترکی میں ترجمہ ہے اور جس میں برہان کی اغلاط کو کئی لغات کی مدد سے درست کیا گیا ہے۔ تبیانِ نافع ۱۷۹۹ء میں قسطنطنیہ سے شائع ہوئی تھی اور اس کے دو ایڈیشن بعد میں بھی شائع ہوئے۔ ان میں سے ایک ایڈیشن قاہرہ سے ۱۸۳۵ء میں چھپا[۲۳]۔ لیکن جب غالب نے برہان پر تنقید کی تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔

بعض ایرانی اہلِ علم نے بھی برہانِ قاطع پر تنقید کی اور اس کی اغلاط اور خامیوں کی نشان دہی کی، مثلاً محمد کریم بن مہدی علی قلی تبریزی نے اپنی لغت برہانِ جامع کے مقدمے میں اور رضا قلی ہدایت نے مجمع الفصحا اور فرہنگ انجمن آراے ناصری میں برہانِ قاطع کی مختلف خامیوں کی نشان دہی کی[۲۴]۔ محمد علی تربیت کی رائے کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں جس میں توصیف کے ساتھ کچھ تحفظات بھی ظاہر کیے گئے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ برہانِ قاطع میں خاصی اغلاط ہیں۔ برہانِ قاطع کی بنیادی خامیوں کا ذکر پروفیسر نذیر احمد (۱۹۱۵ء-۲۰۰۸ء) نے تفصیل سے کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ برہانِ قاطع میں بہت سا رطب و یابس جمع ہو گیا ہے۔ انھوں نے اس کے تین اہم نقائص بتائے ہیں۔ اس ضمن میں ہم نذیر احمد صاحب کے خیالات مختصراً یہاں پیش کرتے ہیں[۲۵]:

۱۔ تصحیفات کی کثرت: برہان میں تصحیفات[۲۶] بہت ہیں۔ نذیر احمد کے مطابق تصحیف کی وجہ سے ایسے سیکڑوں الفاظ برہان میں درج ہو گئے ہیں جن کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

۲۔ دساتیر کے الفاظ کا شمول: برہان کی دوسری بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں دساتیر کے الفاظ موجود ہیں۔ لیکن برہان کے یہ دساتیری الفاظ اتنے مقبول ہوئے کہ بعد میں آنے والے شاعروں اور ادیبوں نے بھی ان الفاظ کا استعمال شروع کر دیا۔ یہاں تک کے وہ بعد میں لکھی گئی فارسی لغات میں بھی شامل ہو گئے۔

۳۔ ہُزوارِش کے الفاظ کا شمول: برہان میں ہُزوارِش کے الفاظ بڑی تعداد میں شامل ہو گئے ہیں۔ نذیر احمد کے بقول ہزوارش دراصل پہلوی زبان میں شامل ایسے سامی کلمات تھے جو آرامی لہجے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان ہزوارش الفاظ کی کتابت تو سامی کلمات کی طرح ہوتی تھی لیکن ان کو پڑھتے وقت اس کا مترادف و متبادل پہلوی لفظ پڑھ لیا جاتا تھا۔ مثلاً ملکان ملک لکھتے اور شاہنشاہ پڑھتے۔ نذیر احمد نے یہ بھی لکھا ہے کہ فارسی فرہنگ نگاروں میں سب سے پہلے حسین انجو شیرازی (مؤلف فرہنگِ جہانگیری) اس غلط فہمی کا شکار ہوئے اور انھوں نے ہُزوارِش کے الفاظ کو زند و پازند کے الفاظ سمجھ کر انھیں اپنی فرہنگ کے ضمیمے میں شامل کر لیا۔ لیکن برہانِ قاطع کے مؤلف نے غلطی یہ کی کہ ان الفاظ کو ضمیمے یا کسی الگ فہرست میں درج کرنے کے بجائے دیگر فارسی الفاظ کے ساتھ باعتبارِ حروفِ تہجی شامل کر لیا۔

آقای محمد علی کے مطابق برہانِ قاطع کی اغلاط کا ایک اور سبب بھی ہے اور وہ یہ کہ اس زمانے میں گولکنڈہ (دکن) کی فارسی دراصل اردو/ہندی سے متاثر تھی نیز تلنگانہ میں بولی جانے والی مقامی فارسی (یعنی تلنگی فارسی) کے الفاظ کو بھی برہان میں شامل کر لیا گیا ہے[۲۷]۔ دراصل حسین تبریزی گولکنڈہ ہی کے رہنے والے تھے اور ان کی فارسی پر دکن اور تلنگانہ کے مقامی اثرات بھی پڑے۔

قاطعِ برہان: ترتیب و تسوید

آرزو یا عنتابی کی برہانِ قاطع پر تنقید پر کسی کو اعتراض نہ ہوا لیکن جب عنتابی کی لغت کے کوئی باسٹھ تریسٹھ سال بعد غالب نے اپنی فارسی تصنیف قاطعِ برہان میں برہانِ قاطع پر تنقید کی تو گویا زلزلہ سا آگیا اور غالب کی تنقید پر تنقید کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ برہانِ قاطع پر غالب نے جو تنقید لکھی وہ پہلے قاطعِ برہان کے نام سے ۱۸۶۲ء میں چھپی اور اس کا دوسرا ایڈیشن غالب نے ترمیم اور اضافے کے بعد دِرَفشِ کاویانی کے نام سے ۱۸۶۵ء میں شائع کرایا۔

قاطعِ برہان کی تصنیف کے ضمن میں الطاف حسین حالی نے جو کچھ لکھا ہے اور پھر دیگر محققین نے خود غالب کی اپنی تحریروں سے جو کچھ استنباط کیا ہے اس کا اِجمال یہ ہے کہ غالب ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں خانہ نشین ہو گئے اور تنہائی میں بیٹھ کر انقلابِ ستاون کے حالات لکھنے شروع کیے[۲۸]۔ انقلاب کے حالات پر مبنی کتاب دستنبو جب غالب ختم کر چکے تو دل بہلانے کے لیے پھر لکھنے پڑھنے کی طرف متوجہ ہوئے[۲۹]۔ حالی کے بقول اس وقت غالب کے پاس برہانِ قاطع اور دساتیر کے سوا کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ انھوں نے برہانِ قاطع کو دیکھنا شروع کیا تو اس میں کچھ خامیاں اور غلطیاں نظر آئیں[۳۰]۔ غالب نے یادداشت کے طور پر قابلِ اعتراض مقامات کو ضبطِ تحریر میں لانا شروع کیا اور ہوتے ہوتے پوری کتاب بن گئی، جیسا کہ خود غالب نے بھی دِرَفشِ کاویانی کے دیباچے میں لکھا ہے[۳۱]۔

۳۱

غالب نے لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی ”بے جا قیامت“ میں سوائے دساتیر اور برہانِ قاطع کے کوئی کتاب ان کے پیشِ نظر نہ تھی۔ اسی عالم میں انھوں نے دستنبو کی تصنیف مکمل کی اور پھر برہانِ قاطع کو دیکھنا شروع کیا۔ غالب کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

> سخن کوتاہ، در موقفِ این رستخیزِ بے جاکه ہمه جا بود، من بدان تنہائی و بینوائی که جز سایۀ خویش در برابر و جز دساتیر و برہانِ قاطع سوادی در نظر نداشتم ،در ستم آبادِ دہلی بکنجِ کاشانه چون تصویرِ دیوارِ خانه از حس و حرکت اثر نداشتم۔ اگرچه ببند نبوده ام، امابی گزند نبوده ام۔ بنگارشِ سرگذشت پرداختم، و موسوم به دستنبو کتابی ساختم۔ چون آن نمط گسترده آمد و آن تحریر انجام یافت، ہرگاه غمِ تنہائی زور آوردی، برہانِ قاطع را نگرستمی۔[۳۲]

(ترجمہ: قصہ مختصر، اس بے جا قیامت کے وقت کہ جو ہر جگہ برپا تھی میں تنہائی اور بے سروسامانی کے عالم میں جب میرے پاس کچھ نہ تھا سوائے اپنے سائے کے، اور دساتیر اور چھاپے کی قاطع برہان کے کچھ نظر میں نہ تھا، ستم آبادِ دہلی میں اپنے گھر کے کونے میں دیوار پر بنی تصویر کی مانند بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اگرچہ میں قید میں نہ تھا لیکن بغیر کسی تکلیف کے بھی نہ تھا۔ میں نے سرگذشت لکھنی شروع کی اور اس کتاب کو دستنبو کا نام دیا۔ وہ کام ٹھکانے لگا اور وہ تحریر انجام پذیر ہوئی۔ غمِ تنہائی نے مسلسل زور مارا تو میں نے برہانِ قاطع کو دیکھا۔)

قاطعِ برہان کی اشاعت

غالب نے برہانِ قاطع پر تنقید اپنی فارسی کتاب قاطعِ برہان کی صورت میں ۱۲۷۶ ہجری (۱۸۶۰ء) میں مکمل کر لی تھی لیکن اشاعت کی نوبت دو سال بعد آئی۔ حالی نے سہواً لکھ دیا ہے (یا شاید سہوِ کاتب ہے) کہ قاطعِ برہان ۱۲۷۶ ہجری میں شائع ہوئی اور اس کا دوسرا ایڈیشن دِرَفشِ کاویانی کے نام سے ۱۲۷۸ ہجری میں چھپا[۳۳]۔ حقیقت یہ ہے کہ قاطعِ برہان کی تصنیف ۱۲۷۶ ہجری (۱۸۶۰ء) میں مکمل ہوئی تھی اور غالب کے قاطعِ برہان کے قطعۂ تاریخ میں اس مصرعے: ''درسِ الفاظ سالِ اتمام است'' میں ''درسِ الفاظ'' سے اس کا سال (۱۲۷۶ ہجری) نکلتا ہے[۳۴] جس کی تطبیق عیسوی تقویم میں ۱۸۶۰ء سے ہوتی ہے اور یہ سالِ تکمیل ہے نہ کہ سالِ اشاعت۔ قاطعِ برہان کا پہلا ایڈیشن ۱۲۷۸ ہجری (۱۸۶۲ء) میں مطبع نول کشور، لکھنؤ، سے شائع ہوا۔ اس کے اٹھانوے (۹۸) صفحات تھے۔ آخر میں کچھ اصحاب کی کہی ہوئی تاریخیں ہیں اور صفحہ ۹۷ پر غالب کی اپنی لکھی ہوئی تقریظ ہے۔ صفحہ ۹۸ پر کتاب کا صحت نامہ ہے[۳۵]۔ غالب کی اپنی ہی کتاب پر لکھی ہوئی یہ تقریظ قاضی عبدالودود نے اپنی کتاب مآثرِ غالب میں ''تقریظِ برہانِ قاطع'' کے نام سے شامل کی ہے اور قاضی صاحب نے حواشی میں لکھا ہے کہ خود مصنف اپنی کتاب کی نسبت جو رائے ظاہر کرے اسے ''تقریظ'' کہنا ٹھیک نہیں[۳۶]۔

قاطعِ برہان کا دوسرا ایڈیشن: دِرَفشِ کاویانی

غالب نے قاطعِ برہان کا دوسرا ایڈیشن دِرَفشِ کاویانی کے نام سے اضافوں اور ترامیم کے ساتھ شائع کرایا۔ اس لفظ ''درفش'' کا تلفظ اردو لغت بورڈ نے اپنی لغت میں دُرَفش (دال مضموم) درج کیا ہے لیکن یہ درست نہیں اور اسٹین گاس اور بعض دیگر فارسی لغات میں اسے دِرَفش (دال مکسور) لکھا گیا ہے اور اس سے فریدون کا وہ جھنڈا مراد ہے جسے اس نے چمڑے کے ٹکڑے سے بنایا تھا۔ ضحاک پر فتح پانے کے بعد فریدون نے اسے آراستہ کر کے اپنا شاہی پرچم بنا لیا تھا[۳۷]۔

اس دوسرے ایڈیشن میں لوح پر قاطعِ برہان اور دِرَفشِ کاویانی دونوں نام درج ہیں اور سالِ طباعت درج نہیں لیکن صفحہ ۱۵۳ پر میاں داد خاں سیاح کے قطعے کے آخری مصرعے سے سال نکلتا ہے جو ۱۸۶۵ء ہے۔ یہ ایڈیشن اکمل المطابع،

دہلی، سے ۱۲۸۲ ہجری (۱۸۶۵ء) میں شائع ہوا۔ اس کے ۱۵۴ صفحات تھے۔ صفحہ ۱۵۳ پر میاں داد خاں سیاح، یوسف علی خاں عزیز اور منشی جواہر سنگھ جوہر کی تاریخیں ہیں۔ دو صفحات (۱۵۳ اور ۱۵۴ پر) ''صحیح نامہ'' ہے[۳۸]۔

اس میں غالب نے مزید مطالب، ایک دیباچے اور اعتراضات کا اضافہ کیا اور دِرَفشِ کاویانی نام رکھا۔ جیسا کہ خود غالب اس کے دیباچے میں کہتے ہیں:

قاطعِ برہان که صنعتِ نقش بند ِخیالِ منست، نه نامۂ اعمالِ منست که درآن جهان بمن خواهند سپرد، هم درین جهان خواهد ماند۔ دردل فرود آمد که بمقامی چند کلامی چند بفزایم ،و این مجموعه را که قاطعِ برہان نام نهاده ام، سپس درفشِ کاویانی خطاب دهم۔قطعه

(ترجمہ: قاطع برہان جو میرے خیال کی مصوری کا ہنر ہے، میرا نامۂ اعمال نہیں ہے جو اُس جہان میں میرے سپرد کیا جائے گا بلکہ اسی جہان میں رہے گا۔ میرے دل میں آیا کہ اس میں چند مقامات پر چند کلمات کا اضافہ کروں اور اس مجموعے کو جس کا نام میں نے قاطع برہان رکھا بعد ازاں درفشِ کاویانی کا خطاب دوں۔)

نازم بخرامِ کلک و طرزِ رقمش
مانا ست ز تیزی بدمِ تیغ دمش
چوں اسمِ کتاب قاطعِ برہان بود
گردید درفشِ کاویانی عَلَمش[۳۹]

(ترجمہ: میں قلم کی چال اور اس کے طرزِ رقم پر ناز کرتا ہوں۔ اس کی تیزی تلوار کی تیزی سے مشابہ ہے۔
جب کتاب کا نام قاطعِ برہان ہوا تو درفشِ کاویانی اس کا جھنڈا ہو گیا۔)

دہلی ایڈیشن (۱۸۶۵ء) کے آخر میں شاملِ کتاب تین قطعاتِ تاریخ میں سے میاں داد خاں سیاح کا قطعۂ تاریخ طباعت صفحہ ۱۵۳ پر درج ہے جو یہ ہے:

واقعی برہانِ قاطع کی ہوئی ترمیم خوب
واہ وا اے کلکِ تیز آہنگِ غالب واہ واہ
یوں کیا سیّاح نے اظہارِ سنِ عیسوی
قاطع برہان ہے فرہنگِ غالب واہ واہ

۱۸۶۵ء

اس کے دوسرے مصرعے میں ''واہ واہ'' کی کتابت اور طباعت کچھ ایسی ہے کہ آخر کی ''ہ'' کو کاما یعنی (،)(comma) بھی پڑھا جاسکتا

ہے اور محمد باقر نے اپنے مرتبہ ایڈیشن (لاہور، ۱۹۶۹ء) میں اسے "واہ" ہی لکھا ہے، البتہ اس سے مصرع بحر سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی صفحے پر دو اور قطعے ہیں۔ دوسرا قطعہ جو یوسف علی خاں عزیز کا ہے بہت دل چسپ ہے۔ کہتے ہیں:

دوبارا[کذا] طبع شد قاطع کنون یافت
درفشِ کاویانی اسمِ ثانی
پئی سالش شُمر بے عیب من بعد
۸۲
مکرر گو درفشِ کاویانی
۶۸۲

(ترجمہ: اب قاطعِ برہان دوبارہ شائع ہوئی۔ اور اس کا دوسرا نام درفشِ کاویانی ہے۔ اس کے سالِ تاریخ کے لیے 'عیب" کے بغیر شمار کرو (جس کے اعداد ۸۲ ہیں) اور دوبار کہو "درفشِ کاویانی" (جس کے اعداد ۶۸۲ ہیں)۔

درفشِ کاویانی کے اعداد چھے سو بیاسی (۶۸۲) ہیں اور اگر اسے (دوسری اشاعت کی رعایت سے) دوبار شمار کیا جائے تو مجموعہ تیرہ سو چونسٹھ (۱۳۶۴) بن جاتا ہے اور اس میں سے "عیب" کے اعداد یعنی بیاسی (۸۲) خارج کر دیے جائیں (جیسا کہ "بے" عیب سے ظاہر ہے) تو عدد ۱۲۸۲ بر آمد ہوتا ہے جو سالِ ہجری ہے۔ درفشِ کاویانی ۱۲۸۲ ہجری / ۱۸۶۵ء میں طبع ہوئی تھی[۴۰]۔

قاطعِ برہان کی مخالفت

قاطعِ برہان کی اشاعت پر ایک ہنگامہ گرم ہوا اور اس کے ردّ میں اور حمایت میں بہت کچھ لکھا گیا۔ غلام رسول مہر نے قاطعِ برہان کی حمایت اور مخالفت میں لکھی گئی جن کتب، منظومات اور کتابچوں وغیرہ کا ذکر کیا ہے[۴۱] اُن کے علاوہ بھی کچھ کتابیں یا کتابچے اردو اور فارسی نثر و نظم میں اس سلسلے میں لکھے گئے۔ ان سب کے نام اور سالِ اشاعت پیش ہیں:

۱۔ محرقِ قاطع (فارسی، منثور)، از سید سعادت علی، مطبوعہ مطبعِ احمدی، دہلی، ۱۲۸۰ ہجری (۱۸۶۴ء)، ۹۶ صفحات[۴۲]۔
یہ پہلی کتاب ہے جو قاطعِ برہان کی مخالفت میں لکھی گئی۔

۲۔ ساطعِ برہان (فارسی، منثور)، از میرزا رحیم بیگ میرٹھی، مطبوعہ مطبعِ ہاشمی (میرٹھ)، ۱۲۸۲ ہجری (۱۸۶۶ء)، ۱۷۴ صفحات[۴۳]۔

محمد باقر نے ساطعِ برہان کے بارے میں لکھا ہے کہ ۱۲۷۶ ہجری / ۱۸۶۰ء میں لکھی گئی اور ۱۲۸۲ ہجری / ۱۸۶۶ء میں چھپی[۴۴]۔ لیکن ۱۲۷۶ ہجری/ ۱۸۶۰ء میں محرقِ قاطع کے تحریر کیے جانے کا خیال درست نہیں ہو سکتا کیوں کہ یہ قاطعِ برہان کی مخالفت میں ہے اور ۱۸۶۰ء تک تو قاطعِ برہان چھپی ہی نہیں تھی اور اس سال تو غالب نے قاطعِ برہان کو مکمل کیا تھا۔ اس غلط

فہمی کی بنیاد غالباً حالی کی تحریر ہے جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ تکمیل کے دو سال بعد یعنی ۱۸۶۲ء میں قاطع برہان شائع ہوئی لہٰذا ۱۸۶۱ء میں ساطعِ برہان (یعنی قاطعِ برہان پر تنقید) لکھے جانے کا کیا سوال ہے۔ مالک رام نے ذکرِ غالب میں ساطع برہان کا سالِ اشاعت ۱۲۸۳ہجری لکھا ہے لیکن یہ بھی درست نہیں ہے۔ حنیف نقوی (۱۹۳۸ء-۲۰۱۱ء) نے لکھا ہے کہ میرزا عبدالرحیم ۱۲۷۹ہجری / ۱۸۶۳ء میں ساطعِ برہان کی ترتیب سے فارغ ہو چکے تھے اور اس کی تاریخ 'بدایع النظایر' ۱۲۷۹ہجری (۱۸۶۳ء) سے نکالی تھی۔ یہ پہلی اور آخری بار مطبعِ ہاشمی، میرٹھ، سے ۱۲۸۲ہجری / ۱۸۶۵ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی[۴۵] (گویا تالیف کے دو سال بعد چھپنے کی نوبت آئی) اور یہی سال درست ہے جیسا کہ نکالی گئی تاریخ سے ظاہر ہے۔ شوکت سبزواری کے مطابق مؤیّدِ برہان کے بعد قاطع کا سب سے معقول اور مدلل جواب ساطعِ برہان ہے[۴۶]۔

۳۔ مؤیّدِ برہان (فارسی، منثور)، از آغا احمد علی شیرازی جہانگیر نگری، مطبوعہ مطبع مظہر العجائب، کلکتہ، ۱۲۸۲ہجری، ۱۸۶۵ء، ۴۶۸صفحات[۴۷]۔

مالک رام اور محمد باقر نے اس کتاب کے جو سالِ تصنیف اور سالِ طباعت لکھے ہیں وہ درست نہیں ہیں۔ یہ کتاب قاضی عبدالودود کے مطابق ۱۲۸۲ہجری / ۱۸۶۵ء میں طبع ہوئی اور یہی درست ہے۔ حنیف نقوی نے وضاحتاً لکھا ہے کہ مویدِ برہان ۱۲۸۰ہجری / ۱۸۶۳ء میں لکھی گئی اور ۱۲۸۲ہجری / ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی۔ تحریرِ تام طیب سے اس کا سالِ تصنیف (۱۲۸۰ھ) اور ردِّ غالب آمد (۱۲۸۲ء) سے سالِ طباعت نکلتا ہے[۴۸] بقولِ غلام رسول مہر اس کے مؤلف احمد علی، مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) میں مدرس تھے لیکن جہانگیر نگر (یعنی ڈھاکہ) چوں کہ ان کا مولد تھا اس لیے نام کے ساتھ جہانگیر نگری لکھتے تھے نیز یہ کہ مولوی احمد علی ڈھاکہ کے باشندے تھے اور کہا جاتا ہے کہ ان کے اجداد اصفہان سے آئے تھے مگر ایرانیت کے تصنع میں اپنے نام کے ساتھ آغا لکھواتے تھے۔ بقولِ مہر کلکتے کے فارسی دانوں میں اس تصنع کا مرض عام تھا[۴۹]۔ قاضی عبدالودود کی رائے میں مؤیّد بہترین کتاب ہے جو قاطع کے جواب میں لکھی گئی تھی اور اس کا لہجہ معتدل ہوتا اور اس میں بے جا طوالت نہ ہوتی تو اور بہتر ہوتی[۵۰]۔

۴۔ قاطع القاطع (فارسی، منثور)، از امین الدین دہلوی، مطبوعہ مطبع مصطفائی، دہلی، ۱۲۸۳ ہجری/۱۸۶۶ء، ۲۶۸ صفحات[۵۱]۔

دہلی سے نکلنے والے اخبار چراغِ دہلی کی ۶ اکتوبر ۱۸۶۶ء کی اشاعت میں قاطع القاطع کا اشتہار شائع ہوا تھا جو امداد صابری (۱۹۱۴ء-۱۹۸۸ء) نے اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے:

> ایک کتاب مسمی بہ قاطع القاطع من تصنیفِ مولوی امین الدین بجوالۂ قاطعِ برہان مصنفہ مرزا اسداللہ خاں غالب کہ جناب ممدوح نے برد[کذا] لغات برہانِ قاطع تحریر فرما کر اس مردۂ دوصد سالہ کو بدشنام

دہی یاد فرمایا تھا۔ مولوی صاحب نے جملہ اقوالِ جناب مرزا صاحب کو تردید کرکے اور سند اور نظائر اس کے کلماتِ اساتذۂ قدیم سے بہم پہنچا کر اقوالِ برہان کو بخوبی تمام پایہ ثبوت پہنچایا۔[52]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ۱۸۶۶ء میں چھپ چکی تھی اور غلام رسول مہر اور مالک رام دونوں نے قاطع القاطع کا سالِ اشاعت ۱۲۸۳ہجری / ۱۸۶۶ء لکھا ہے لیکن حنیف نقوی کا خیال ہے کہ قاطع القاطع اس سے پہلے بھی چھپ چکی تھی کیوں کہ اس کا حوالہ محرقِ قاطع میں موجود ہے (جو ۱۲۸۰ہجری / ۱۸۶۴ء میں شائع ہوئی)۔ حنیف نقوی حوالوں کی بنیاد پر وثوق سے کہتے ہیں کہ قاطع القاطع اپنی ابتدائی صورت میں ۱۲۸۰ہجری سے قبل شائع ہوکر یا کم از کم مرتب ہوکر دہلی کے ادبی حلقوں میں عام ہو چکی تھی اور اس وقت یہ غالباً قاطعِ قاطعِ برہان کے نام سے تھی۔ لیکن حنیف نقوی یہ بھی کہتے ہیں کہ کتاب میں درج قطعاتِ تاریخ کے مطابق اس کی ترتیب ۱۲۸۱ہجری میں تمام ہوئی اور ۱۲۸۱ ہجری غالباً نظرِ ثانی کا سال ہے۔ البتہ انطباع کی نوبت ۱۲۸۳ہجری / ۱۸۶۶ء میں آئی اور مالک رام کا خیال ہے کہ مصنفِ محرقِ قاطع سید سعادت علی نے اس کتاب (قاطع القاطع) کا مسودہ دیکھا ہو گا[53]۔ اس کتاب میں غالب کے خلاف بہت خراب لہجہ اختیار کیا گیا ہے اور فحش گالیاں تک دی ہیں[54]۔

۵۔ تیغِ تیز تر (فارسی، منظوم)، از عبدالصمد فدا سلہٹی (شاگردِ آغا احمد علی)، مطبوعہ ۱۲۸۴ہجری / ۱۸۶۷ء[55]۔

دراصل غالب نے مؤیدِ برہان کے رد میں ایک کتاب تیغِ تیز کے نام سے لکھی تھی (اس کا ذکر آگے آرہا ہے)۔ غالب نے ایک فارسی قطعہ بھی مویّدِ برہان کے چھپنے کی اطلاع پا کر اس کتاب کو دیکھے بغیر، صرف کتاب کی اطلاع پاکر، کہا تھا اور جس میں اکتیس (۳۱) اشعار ہیں۔ فدا سلہٹی کا قطعہ غالب کے قطعے کا جواب ہے اگرچہ بظاہر نام سے غالب کی کتاب تیغِ تیز کا جواب معلوم ہوتا ہے۔ فدا سلہٹی کے اس قطعے میں چھیالیس (۴۶) اشعار اسی بحر اور ردیف و قافیے میں ہیں، جس میں غالب کا قطعہ تھا۔ غالب کے قطعے کا پہلا شعر یہ ہے:

مولوی احمد علی، احمد تخلص نسخہء
در خصوصِ گفتگو ے پارس انشا کردہ است[56]

(ترجمہ: مولوی احمد علی، جن کا تخلص احمد ہے، نے فارسی زبان سے متعلق ایک نسخہ لکھا ہے۔)

تیغِ تیز تر کے بارے میں ایک خیال یہ ہے کہ اسے آغا احمد علی نے لکھ کر اپنے شاگرد عبدالصمد فدا سلہٹی کے نام سے چھپوایا تھا[57]۔ غالب کے دو شاگردوں باقر علی باقر اور فخر الدین حسین سخن دہلوی نے فدا کے قطعے کا جواب دیا تھا جن کا جواب پھر فدا نے دیا اور ان پانچوں قطعات کو ملا کر فدا سلہٹی نے تیغِ تیز تر کے نام سے چھپوا دیا[58]۔

۶۔ شمشیرِ تیز تر (فارسی، منثور و منظوم)، از آغا احمد علی، مطبوعہ مطبع نبوی، کلکتہ، ۱۸۶۸ء، صفحات ۱۲۲۔

مالک رام کے مطابق شمشیرِ تیز تر تاریخی نام ہے۔ اس سے سال ۱۸۶۷ء برآمد ہوتا ہے جو سالِ تصنیف ہے اور

طباعت کا سال ۱۸۶۸ء ہے[۵۹]۔ یہ دراصل غالب کی تیغِ تیز کا بھی جواب ہے اور غالب نے جو نئے اعتراض قاطعِ برہان کے نئے ایڈیشن یعنی دِرَفشِ کاویانی میں کیے تھے یہ ان کا بھی جواب ہے۔ لیکن بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس کی طباعت واشاعت میں تاخیر ہوگئی ہوگی اور یہ ۱۸۶۷ء بلکہ ۱۸۶۸ء میں بھی منظرِ عام پر نہیں آسکی ہوگی کیوں کہ اس میں ایک ایسا قطعہ شامل ہے جس سے سال ۱۲۸۶ ہجری (۷۰-۱۸۶۹ء) نکلتا ہے جب کہ غالب کا انتقال ۱۲۸۵ ہجری (فروری ۱۸۶۹ء) میں ہو گیا تھا اور اگر غالب زندہ رہتے تو ممکن ہے اس کا جواب دیتے[۶۰]۔ لہٰذا قاضی عبدالودود کا یہ کہنا درست ہے کہ اس کا چھاپا غالب کی وفات کے بعد تمام ہوا اور اس عاجز طالب علم کی رائے میں حنیف نقوی کا یہ خیال درست نہیں کہ یہ غالب کی زندگی ہی میں چھپ گئی تھی[۶۱]۔ شمشیرِ تیز تر میں پانچ قطعے بھی ہیں جن میں فدا کا قطعہ بھی شامل ہے[۶۲]۔

قاطعِ برہان کی حمایت

قاطعِ برہان کی حمایت میں بھی خاصا لکھا گیا بلکہ اس کی مخالفت کی بھی مخالفت کی گئی۔ اگرچہ حمایت میں یا دفاع میں جو کچھ لکھا گیا اس میں سے بیش تر خود غالب نے لکھا، خواہ اپنے نام سے خواہ اپنے چاہنے والوں کے نام سے۔ اس کا مختصر احوال یہ ہے:

۱۔ نامۂ غالب (اردو، منثور)، از مرزا اسد اللہ خاں غالب، مطبوعہ مطبعِ محمدی، دہلی، ۱۸۶۵ء، ۱۶ صفحات[۶۳]۔

یہ ایک خط ہے جو غالب نے میرزا رحیم بیگ مصنف ساطعِ برہان کے نام لکھا تھا۔ یہ ۱۸۶۵ء میں چھپا اور اسی سال اکتوبر میں اودھ اخبار میں بھی شائع ہوا[۶۴]۔ اب یہ عودِ ہندی میں شامل ہے۔ لیکن شوکت سبزواری کا کہنا ہے کہ یہ ساطع کے جواب میں نہیں ہے بلکہ اس میں چند جزوی بحثوں کو چھیڑا گیا ہے[۶۵]۔ اس میں غالب نے لغت نگاری کے سلسلے میں اپنے مؤقف کی وضاحت کی ہے اور رحیم بیگ کے کچھ اعتراضات کے جواب بھی دیے ہیں[۶۶]۔ نامۂ غالب کے مطالعے سے واضح ہے کہ سبزواری صاحب کی یہ بات درست ہے۔

۲۔ دافعِ ہذیان (فارسی، منثور)، سید محمد نجف علی خان جھجری متخلص بہ نجف، مطبوعہ اکمل المطابع، دہلی، ۱۲۸۱ ہجری / ۱۸۶۴ء، ۲۸ صفحات[۶۷]۔

غلام رسول مہر نے اس کا سالِ اشاعت ۱۲۸۱ ہجری دیا ہے اور اس کی تطبیق ۱۸۶۴ء سے کی ہے[۶۸] دافعِ ہذیان ان تین کتابچوں یا کتابوں میں شامل ہے جو سید سعادت علی کی محرقِ قاطعِ برہان کے جواب میں لکھی گئیں۔

۳۔ سوالاتِ عبدالکریم (اردو، منثور)، از عبدالکریم (اصل میں غالب خود)، مطبوعہ "غالباً" اکمل المطابع، دہلی، ۱۲۸۱ ہجری / ۱۸۶۴ء، ۸ صفحات[۶۹]۔

یہ بھی سید سعادت علی کی محرقِ قاطع کا جواب ہے۔ اس میں سولہ (۱۶) سوال ہیں۔ غالب نے قاطعِ برہان کے جن اندراجات

پر اعتراض کیا تھا ان میں سے چوبیس (۲۴) ایسے بھی ہیں جو سید سعادت علی نے درست سمجھ کر اپنی تالیف حدائق العجائب شامل کیے تھے۔ چناں چہ جب غالب نے ان الفاظ کے غلط ہونے سے متعلق لکھا تو سعادت علی کو ناگوار ہوا اور انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی غالب غلط اور صاحبِ برہانِ قاطع درست ہیں[۴۰]۔ غالب نے رسالہ سوالاتِ عبدالکریم میں یہ بتایا ہے کہ جو شخص ایسی غلطیاں کرتا ہے اس کا غالب سے کیا مقابلہ؟[۴۱]

رسالہ سوالاتِ عبدالکریم کے آخر میں ایک ''استفتا از جانبِ سائل'' ہے جس میں فارسی زبان و قواعد سے متعلق دو سوال ہیں اور ان کا جواب نجف علی نے دیا ہے۔ اس ضمن میں قاضی عبدالودود کا اعتراض خوب ہے۔ لکھتے ہیں:

> تعجب ہے کہ غالب کو نہ یہ سوجھا کہ جب کُل ہندوستانی فارسی دانوں کو، خواہ وہ شاعر ہوں یا فرہنگ نگار، نامعتبر قرار دے چکا ہوں تو ہندوستانیوں سے فتویٰ لینے کے کیا معنی؟ اور نہ یہ بات ذہن میں آئی کہ جو اصحاب خود میری فارسی دانی کے قائل نہیں وہ میرے معتقدین و تلامذہ کو کیا خاطر میں لا سکتے ہیں۔[۴۲]

بعض محققین مثلاً غلام رسول مہر، مالک رام اور خلیل الرحمٰن داؤدی (جن کے حوالے اوپر آ چکے ہیں) کا خیال ہے کہ یہ رسالہ بھی غالباً خود غالب ہی نے لکھا تھا۔

۴۔ لطائفِ غیبی (اردو، منثور)، از میاں داد خاں سیّاح (اصل میں خود غالب)، مطبوعہ اکمل المطابع، دہلی، ربیع الثانی ۱۲۸۱ ہجری، اکتوبر ۱۸۶۴ء۔ ۴۴ صفحات[۴۳]۔ کاتب کے قطعات سے سال ۱۲۸۱ ہجری / ۱۸۶۴ء بر آمد ہوتا ہے[۴۴]۔

یہ بھی محرقِ قاطع کے جواب میں لکھی گئی۔ بعض محققین، مثلاً قاضی عبدالودود، غلام رسول مہر اور مالک رام کا خیال ہے کہ یہ کتاب دراصل غالب نے خود لکھ کر سیف الحق میاں داد خاں سیاح کے نام سے چھپوائی تھی۔ لیکن حنیف نقوی نے اس سے جزوی اختلاف کیا ہے اور ان کے بقول اس میں فقہ و کلام پر مباحث ہیں جن میں غالب اور سیاح اتنا درک نہیں رکھتے تھے۔ ان کے خیال میں یہ کتاب نہ تو غالب نے لکھی تھی اور نہ سیاح نے، بلکہ کسی تیسرے شخص کی لکھی ہوئی ہے جو خود کو مخفی رکھنا چاہتا تھا اور جس کی مدد نواب ضیاء الدین نیّرؔ و رخشاںؔ کر رہے تھے[۴۵]۔ بہر حال اس کے لکھے جانے میں غالب کا بڑا ہاتھ تھا۔ ممکن ہے خود بھی کچھ لکھ کر دیا ہو جیسا کہ محققین کا خیال ہے۔ بلکہ قاضی عبدالودود تو مآثرِ غالب میں کہتے ہیں کہ اس کا لفظ لفظ غالب کے قلم سے نکلا ہے۔

۵۔ قطعۂ غالب (فارسی، منظوم)، از مرزا اسد اللہ خاں غالب، مطبوعہ اکمل المطابع، دہلی، ۱۲۸۲ ہجری / ۱۸۶۶ء[۴۶]۔

اس قطعے میں صرف اکتیس (۳۱) اشعار ہیں، اگر چہ ان میں کچھ قابلِ اعتراض باتیں بھی ہیں (جن کا ذکر آگے آ رہا ہے) لیکن نقادوں نے ان اشعار کو بہت سراہا ہے اور غلام رسول مہر نے اپنی کتاب غالب میں بھی درج بھی کیے ہیں۔ اس کا پہلا شعر ہم اوپر درج کر چکے ہیں۔ یہ غالب کی کتاب سبدِ چین (۱۸۶۷ء) میں بھی شامل ہے۔ سبدِ چین میں غالب کا وہ کلام شامل ہے جو کلیاتِ فارسی میں شامل

نہ ہو سکا تھا۔

۶۔ تیغِ تیز (اردو، منثور)، از مرزا اسد اللہ خاں غالب، مطبوعہ اکمل المطابع، دہلی، ۱۸۶۷ء، ۳۴ صفحات۔ اس کے آخر میں ایک غلط نامہ بھی ہے[۷۷]۔

یہ غالب نے مؤیّدِ برہان کے رد میں لکھی تھی۔ مگر اس میں احمد علی مصنف مؤیّدِ برہان کے محض چند اعتراضات سے بحث کی ہے اور وہ بھی تسلی بخش نہیں ہے[۷۸]۔ آخر میں برہانِ قاطع پر مزید اعتراضات کیے ہیں اور سولہ صفحات کا ایک "استفسا" ہے جس میں ادبی سوالات ہیں۔ ان کا جواب مصطفی خاں شیفتہ (۱۸۰۶ء-۱۸۶۹ء) نے دیا ہے اور ان کی تائید و توثیق الطاف حسین حالی، محمد سعادت علی اور ضیاء الدین احمد نے کی ہے[۷۹]۔

حمایت اور مخالفت کی یک جائی: ہنگامۂ دل آشوب

نظم و نثر کے اس ہنگامے سے متعلق ایک کتاب ہنگامۂ دل آشوب کے نام سے ہے۔ یہ دو حصوں میں ہے:

۱۔ ہنگامۂ دل آشوب، حصۂ اول (فارسی، منظوم)۔ غالب کے قطعے کا جواب احمد علی نے ایک قطعے میں دیا اور اپنے شاگرد عبد الصمد فدا سلہٹی کے نام سے چھپوایا۔ اس کے جواب میں غالب کے دو شاگردوں سید باقر علی باقر آروی اور فخر الدین حسین سخن نے دیا اور قطعے لکھے۔ یہ چاروں قطعات ہنگامۂ دل آشوب کے عنوان سے ۱۲۸۳ ہجری / اپریل ۱۸۶۷ء کو آرہ (بہار) سے چھپے[۸۰]۔

۲۔ ہنگامۂ دل آشوب، حصۂ دوم (فارسی، منثور و منظوم)۔ منشی جواہر سنگھ جوہر لکھنوی نے ایک قطعہ لکھا۔ اس پر بھی باقر اور سخن نے ایک ایک قطعہ لکھ کر جواب دیا۔ اسی دوران میں آغا علی شمس لکھنوی نے ۲۵ جون ۱۸۶۷ء کے اودھ اخبار میں ایک مضمون لکھ کر غالب پر اعتراضات کیے۔ اس کا جواب فخر الدین سخن نے اردو نثر اور باقر نے فارسی نثر میں دیا۔ محمد امیر امیر لکھنوی نے (یہ امیر مینائی نہیں ہیں جیسا کہ بعض محققین کو مغالطہ ہوا ہے، بلکہ ان سے الگ ایک شخصیت ہیں) غالب کی حمایت میں قطعہ اودھ اخبار میں چھپوایا۔ ان پانچ قطعات اور دو نثری مضامین کا مجموعہ ہنگامۂ دل آشوب حصۂ دوم کے نام سے آرہ سے ۱۲۸۴ ہجری / ۱۸۶۷ء میں شائع ہوا[۸۱]۔

۳۔ ہنگامۂ دل آشوب [دونوں حصے یک جا]۔ اس کے دونوں حصے مولوی عبد الحق نے سہ ماہی اردو (جنوری ۱۹۳۷ء) میں شائع کیے۔ یہ دونوں کتابچے سید عطا حسین (۱۹۲۵ء-۲۰۰۰ء) کو ملے تھے اور سہ ماہی اردو میں ان کے ساتھ سید عطا حسین کا دیباچہ بھی شائع ہوا تھا۔ بعد ازاں ان کو سید قدرت نقوی نے مرتب کر دیا اور یہ انجمن ترقیِ اردو پاکستان سے غالب کی صد سالہ برسی کی مناسبت سے ۱۹۶۹ء میں ایک جلد میں سید قدرت نقوی کے مقدمے کے ساتھ شائع

ہوئے[۸۲]۔

برہانِ قاطع پر غالب کے اعتراضات

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ غالب نے قاطعِ برہان میں برہانِ قاطع پر کیا اعتراضات کیے اور ان اعتراضات میں کتنا وزن ہے۔ غالب نے قاطعِ برہان کے آغاز ہی میں لکھا ہے کہ مجھے برہانِ قاطع کے "دوصد سالہ مردے" سے دشمنی نہیں، نہ برہانِ قاطع کی شہرت پر رشک ہے ("دوصد سالہ مردے" کے الفاظ جو غالب کے خلاف لکھی گئی کتاب قاطع القاطع کے اشتہار میں بھی لکھے گئے اور جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، غالب کے الفاظ ہیں اور قاطعِ برہان ہی سے لیے گئے تھے)۔

غالب کے الفاظ اس موقعے پر یہ ہیں:

> بیزدانِ دانش بخشِ دادپسند می پناہم ، و دانش از خدا، و داد از خلق می خواہم ، تا گرفته نزنند، و خرده نگیرندکه با مردهٔ دو صد ساله دشمنی چرا می وَرزَد،نه مرا با محمد حسین دکنی بحث است و نه بر شہرتِ برہانِ قاطع رشک[۸۳]۔

(ترجمہ: علم بخشنے والے اور انصاف پسند خدا کی پناہ میں آتا ہوں اور خدا سے علم اور مخلوق سے داد چاہتا ہوں کہ لوگ میری گرفت نہ کریں اور خردہ گیری نہ کریں کہ دو سو سالہ مردے سے دشمنی کیوں کی۔ نہ مجھے محمد حسین دکنی سے بحث ہے اور نہ برہانِ قاطع کی شہرت پر رشک ہے۔)

بقولِ امتیاز علی خاں عرشی، اس میں شک نہیں کہ غالب کے کچھ اعتراضات درست بھی ہیں لیکن ان کا لہجہ معاندانہ اور توہین آمیز ہے اور لگتا ہے کہ انھیں مؤلفِ برہان سے دشمنی بھی ہے اور برہان کی شہرت پر رشک بھی[۸۴]۔

غالب نے برہانِ قاطع پر سخت تنقید کی ہے۔ ان کی عمومی رائے برہانِ قاطع اور اس کے مؤلف کے بارے میں بہت بری ہے اور اس کا اظہار انھوں نے اپنے اردو خطوط میں بھی کیا ہے۔ مثلاً غالب نے اپنے ایک خط میں، جو چودھری عبدالغفور سرور کے نام ہے، برہانِ قاطع پر یوں اظہارِ خیال کیا ہے:

> اس واماندگی کے دنوں میں چھاپے کی برہانِ قاطع میرے پاس تھی۔ اس کو میں دیکھا کرتا تھا۔ ہزارہا لغت غلط، ہزارہا بیان لغو، عبارت پوچ، اشارت پادرہوا۔ میں نے سو دو سو لغت کے اغلاط لکھ کر ایک مجموعہ بنایا ہے اور قاطعِ برہان اس کا نام رکھا ہے۔[۸۵]

برہانِ قاطع پر غالب کے اعتراضات کا تفصیلی جائزہ قاضی عبدالودود نے لیا ہے[۸۶]۔ پروفیسر نذیر احمد نے بھی قاطعِ برہان کا بہت تفصیلی مطالعہ فارسی زبان و ادب کے عالمانہ پس منظر کے ساتھ پیش کیا ہے[۸۷]۔ نذیر احمد نے قاضی صاحب کے اعتراضات کا خلاصہ بھی پیش کر دیا ہے[۸۸]۔ ظاہر ہے کہ یہ عاجز طالب علم ان دونوں اکابر کے لکھے پر کوئی اضافہ نہیں کر سکتا اور

مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ سہولت کی خاطر ان دو جید محققوں کے غالب کی لغت نویسی پر کیے گئے اظہارِ خیال کو اختصار سے پیش کر دیا جائے۔ ان دونوں فاضل بزرگوں نے اپنی محولۂ بالا تحریروں میں غالب کے برہان پر اعتراضات سے متعلق جو کچھ کہا ہے، اس کا نچوڑ یہ ہے:

۱۔ غالب کا خیال ہے کہ جو الفاظ معروف ہیں ان کو لغات میں درج نہ ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ اعتراض کوئی وزن نہیں رکھتا کیوں کہ جو لفظ ایک نزدیک کے معروف ہے وہ دوسروں کے نزدیک یا آئندہ وقتوں میں مجہول ہو سکتا ہے۔

۲۔ غالب کا خیال ہے کہ جو استعارات اور کنائے کسی شاعر نے استعمال کیے ہیں اور وہ مبتذل نہیں ہوئے ہیں انھیں لغات میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہندوستان میں جو فارسی لغات لکھی گئیں ان کا بڑا مقصد یہ تھا کہ ان کی مدد سے فارسی کی درسی کتابوں اور فارسی شعرا کے کلام کو سمجھنے میں مدد لی جا سکے۔ یعنی غالب نے ہندوستان کے لغت نویسوں کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی لہٰذا اس ضمن میں ان کے اکثر اعتراضات بے بنیاد ٹھہرتے ہیں۔

۳۔ غالب نے لکھا ہے کہ برہان سند نہیں دیتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ الفاظ اپنی طرف سے گھڑتا ہے۔ یہ اعتراض تو درست ہے کہ برہان سند نہیں دیتا لیکن برہان لفظ اختراع نہیں کرتا اور اس نے سند نہ دینے کی وجہ اپنے دیباچے میں بیان کر دی ہے کہ اس کا مقصد اختصار ہے۔

۴۔ غالب کا اعتراض ہے کہ برہان نے آخر میں کچھ الفاظ الگ سے دیے ہیں۔ ان کو الگ سے دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ غالب کا یہ اعتراض درست ہے۔

۵۔ غالب کا اعتراض ہے کہ لغت نویس کو مصدر کے اشتقاقات کا ذکر نہیں کرنا چاہیے اور صرف مصدر کے معنی بتانا کافی ہے۔ یہ اعتراض صحیح نہیں۔ لغت نویس کو چاہیے کہ وہ ایسے تمام مشتقات کا ذکر کرے جن کی شکل کے بارے میں اختلاف کا امکان ہو۔

۶۔ غالب کا کہنا ہے کہ لغت میں مصدر پہلے درج کیا جائے اور مشتقات بعد میں۔ یہ اعتراض بھی غلط ہے، لغت، قواعد کی کتاب نہیں ہوتی۔

۷۔ غالب کا خیال ہے کہ کسی لفظ کی جتنی شکلیں یعنی جتنے املا ہیں، ان سب کو ایک ساتھ لغت میں درج کر دینا چاہیے۔ یہ اعتراض بھی درست نہیں۔ لغت میں اندراجات کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ اس میں حروفِ تہجی کی ترتیب کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

۸۔ غالب کا ایک اعتراض یہ ہے کہ بہت سے الفاظ تصحیف کی وجہ سے برہان میں داخل ہو گئے ہیں۔ یہ اعتراض درست

ہے۔ لیکن پھر یہ اعتراض ایرانی لغت نویسوں پر بھی وارد ہوتا ہے۔ مؤلفِ برہانِ قاطع کو لفظ کی جتنی شکلیں ملیں اس نے سب درج کر دیں اور یہ نہ بتایا کہ صحیح کیا ہے۔ دراصل فارسی زبان میں الفاظ کی تصحیف و تحریف کی جڑیں تاریخ میں بہت دور تک گئی ہیں۔ غالب نے سارا ملبہ برہان پر گرا دیا۔ پھر یہ کہ غالب نے تصحیف شدہ اور محرف الفاظ کی نشان دہی تو کی لیکن وہ بھی صاحبِ برہان کی طرح اصل لفظ کی نشان دہی نہ کر سکے۔

۹۔ غالب نے بعض ایسے اعتراضات بھی کیے ہیں جو برہان میں موجود ہی نہیں ہیں، مثلاً غالب کا اعتراض ہے کہ زمزم کو زم زم (یعنی توڑ کر) کیوں لکھا۔ مگر برہان میں زمزم ہی لکھا ہے۔ غالب کا اعتراض ہے کہ ماہوچی چشمۂ خضر کیا چیز ہے جو برہان نے لکھا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اسے ماہی چشمۂ خضر ہونا چاہیے۔ لیکن برہان میں ماہوچی چشمۂ خضر نہیں بلکہ ماہی چشمۂ خضر ہی لکھا ہے۔ اسی طرح کی چند اور اغلاط کی بھی غالب نے نشان دہی کی ہے لیکن درحقیقت یہ برہان کی اغلاط نہیں ہیں اور غالب کے پاس برہان کا جو نسخہ تھا وہ اغلاط سے معریٰ نہیں تھا۔ اگر وہ مزید نسخے یا ایڈیشن مدِ نظر رکھتے (جو کچھ ایسا دشوار بھی نہ تھا) تو ان کی مغالطے پر مبنی نشان دہی سے بچنا ممکن تھا۔

۱۰۔ تیغِ تیز میں بھی غالب نے ایسی بات برہان سے منسوب کی ہے جو اس میں ہے ہی نہیں۔ ایسے اعتراضات کی اصل غرض محض استہزا ہے۔

غالب کے زیرِ مطالعہ برہان کا نسخہ اور اس کے اضافے

غالب کا ایک اعتراض یہ ہے کہ برہان میں ایسے بہت سے الفاظ ہیں جو ملحقات میں شامل ہیں اور ان کو لغت میں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ قاضی عبدالودود کے مطابق یہ برہان کے نسخۂ روبک میں بڑھائے گئے ہیں، برہان میں نہیں تھے[۸۹]۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ غالب کے پیشِ نظر کوئی ایسا مطبوعہ نسخہ تھا جو ذرا مختلف تھا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غالب کے پیشِ نظر برہانِ قاطع کا کون سا نسخہ تھا کیوں کہ برہان کے مختلف نسخے اس زمانے میں طبع ہو چکے تھے مثلاً اس کا نسخۂ طامس روبک (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۱۸ء) اور نسخۂ حکیم عبدالمجید (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۴ء) اور بعض دیگر مطبوعہ نسخے بھی موجود تھے جن کا ذکر اکبر حیدری کشمیری نے برہانِ قاطع کے قلمی نسخوں کے ساتھ کیا ہے[۹۰]۔ قاضی عبدالودود نے پہلے لکھا کہ غالب کے پیشِ نظر نسخۂ عبدالمجید تھا جو روبک کا تیسرا ایڈیشن تھا لیکن انھیں مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ انھیں غلط فہمی ہوئی تھی اور اس کا انھوں نے اعتراف کرتے ہوئے لکھا کہ غالب کے پیشِ نظر نہ نسخۂ روبک تھا اور نہ نسخۂ عبدالمجید بلکہ وہ ایک تیسرا نسخہ تھا جو رامپور میں موجود ہے[۹۱]۔ غالب نے جس نسخے کو سامنے رکھ کر برہان پر تنقید کی تھی وہ ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۶ء میں مطبع افضل المطابع کلکتے سے ٹائپ میں چھپا تھا۔ امتیاز علی خاں عرشی نے اس کی

تفصیل بتائی ہے کہ غالب نے برہان کا یہ نسخہ نواب لوہارو علاء الدین خان علائی کو یکم اگست ۱۸۵۸ء کو تحفے کے طور پر دیا تھا اور یہ اب رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے (اسی کا ذکر کرتے ہوئے قاضی عبدالودود نے اپنی غلطی کا اعتراف بھی کیا ہے)۔ عرشی کے مطابق اس نسخے پر غالب کے اپنے قلم سے چار سو اکسٹھ (۴۶۱) اندراجات پر اپنے اعتراضات یا توضیحات یا یادداشتیں، کبھی متن کے اندر سطر کے خاتمے پر اور کہیں حاشیوں پر، لکھی ہیں۔ ان میں سے تین سو بارہ (۳۱۲) اندراجات پر غالب نے اپنی ان یادداشتوں کو قاطعِ برہان میں شائع کیا تھا[۹۲]۔ گویا برہان جیسی ضخیم لغت کے بیس ہزار سے زائد اندراجات میں سے تین سو سے کچھ زیادہ اندراجات پر غالب نے اعتراضات کیے اور اگر ان اندراجات کو بھی شامل کر لیا جائے جو غالب نے قاطع میں شامل نہیں کیے لیکن ان پر برہان کے نسخے پر یادداشتیں لکھ لی تھیں تو ساڑھے چار سو سے کچھ زائد یہ اندراجات برہان کے بیس ہزار اندراجات کا ڈھائی فی صد بھی نہیں ہیں۔ لیکن غالب نے لکھا کہ اگر تھوڑے سے لغات سے قطع نظر کر لی جائے تو برہان محض مہملات کا مجموعہ رہ جاتی ہے اور پھر یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ مجھے برہان کی جملہ اغلاط سے واقفیت ہے[۹۳]۔ اتنی معمولی تعداد کی بنیاد پر ایک ضخیم لغت کو مسترد کر دینا زیادتی نہیں تو اور کیا ہے۔ جب کہ غالب کے کچھ اعتراضات درست اور اکثر غلط ہیں۔

امتیاز علی خاں عرشی نے بھی اپنے مقالے میں غالب کی اغلاط کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ غالب نے برہان کی جن اغلاط کی نشان دہی کی ہے ان میں سے بعض برہان کی اغلاط نہیں ہیں بلکہ مرتبین نے طامس روبک کے ساتھ مل کر یہ اضافے کیے ہیں۔ لیکن عرشی یہاں یہ بھی کہتے ہیں کہ گو یہ برہان کے لغات نہیں ہیں لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ یہ جعلی یا غلط ہیں کیوں کہ ان میں سے اکثر مشہور کتابوں سے ماخوذ ہیں[۹۴]۔ گویا غالب کا یہ اعتراض بھی درست نہیں ہے کیوں کہ وہ الفاظ بذاتہٖ درست ہیں، خواہ وہ الفاظ مؤلفِ برہان نے لکھے ہو یا بعد میں مرتبین کا اضافہ ہوں۔

قضیے کا مثبت پہلو

قاطعِ برہان کے اس قضیے کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ غالب نے فارسی کی ایک ایسی لغت پر تنقید کی جو اس وقت ہندوستان میں بہت مقبول اور معتبر تھی لیکن اس میں کئی اغلاط بھی تھیں۔ اس ضمن میں غالب کے بعض اعتراضات درست تھے جو تنقید و تصحیحِ لغات کی جانب ایک اہم قدم تھا۔ ساتھ ہی غالب نے لغت نویسی پر بھی اظہارِ خیال کیا، اگر چہ ان کے بتائے ہوئے بعض نکات اصولِ لغت نویسی کی رو سے درست نہیں ہیں لیکن اس زمانے میں ہندوستان میں شاید ہی کسی نے اردو کیا فارسی میں بھی اس موضوع پر کچھ لکھا ہو۔ غالب کا یہ کام یقیناً قابلِ تحسین تھا۔

غالب کی اس تنقید کے جواب میں جو کتابیں مخالفین نے لکھیں ان میں سے بعض بہت اہم تھیں اور ان میں اہم علمی، ادبی، لسانی و لغوی نکات ہیں (افسوس کہ ان میں سے کوئی بھی دوبارہ نہیں چھپی اور اس ضمن میں غالب کی تمام کتابوں یا منظومات کے نئے، مرتبہ و مدوّنہ، ایڈیشن

شائع ہوئے اور قاضی عبدالودود، سید وزیر الحسن عابدی، خلیل الرحمٰن داؤدی اور ڈاکٹر محمد باقر نے ان کو مرتب کر کے شائع کرایا)، خاص طور پر آغا احمد علی کی کتاب مؤیّدِ برہان ایک علمی کام ہے جس کے لیے انھوں نے خاصی تحقیق کی بلکہ ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے سے بھی استفادہ کیا[۹۵]۔ قاطعِ برہان کے جواب میں لکھی گئی کتابوں میں مؤیّدِ برہان بہترین کتاب ہے لیکن اس کا لہجہ معتدل ہوتا اور اس میں بے جا طوالت نہ ہوتی تو بہتر ہوتا[۹۶]۔ لیکن یہ بہر حال غالب کے جواب میں ہے اور گویا غالب کی تنقید ہی اس کی محرک تھی۔ اس طرح لسانی و لغوی مباحث پر ایک ذخیرہ وجود میں آگیا جب کہ اس موضوع پر پاک و ہند میں پہلے شاید ہی کچھ لکھا گیا ہو۔ اس بحث میں ایک خاص بات فارسی لغات، ان کی تدوین، مآخذ اور مفاہیم وغیرہ پر مباحث ہیں۔ اس طرح غالب نے قاطعِ برہان لکھ کر ایک علمی کام کیا اور علمی مباحث کو بھی انگیخت کیا۔

قضیے کا منفی پہلو

اس ہنگامے کا ایک بہت افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں لغت نویسی جیسے اہم اور سنجیدہ موضوع پر بحث علمی و ادبی کے درجے سے تعریض و ہجو، دشنام و تضحیک بلکہ فحش گوئی تک گر گئی۔ اس بحث میں گفتگو ذاتیات کی سطح تک پہنچ گئی لیکن اس کی ابتدا غالب ہی سے ہوئی تھی۔ غالب نے اعتراض کرتے ہوئے نہ صرف تمسخر و تضحیک سے کام لیا بلکہ شائستگی اور تہذیب کا دامن بھی ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ جواب میں معترضین نے بھی فحش و دشنام کو روا سمجھا اور غالب کو امین الدین کے خلاف مقدمے بازی تک کرنی پڑی جس نے اپنی کتاب قاطع القاطع میں بہت فحش گوئی کی تھی۔ غالب نے ستمبر ۱۸۶۷ء میں ازالۂ حیثیتِ عرفی کا مقدمہ دائر کیا۔ اس مقدمے میں غالب کے ساتھ زیادتی یہ ہوئی کہ مخالفین نے گواہوں کے طور پر جن لوگوں کو پیش کیا انھوں نے انگریز مجسٹریٹ کے سامنے قاطع القاطع کی زبان کی غلط تشریح و تاویل کی اور غالب کے خلاف مؤلف کی فحش و غلیظ باتوں کو گھما پھرا کر اور من مانے معنی پہنا کر انھیں نرم اور بے ضرر قرار دیا[۹۷]۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس منافقت اور غالب دشمنی میں اس دور کے بعض ایسے لوگوں نے حصہ لیا جو عالم فاضل اور معزز و شریف خیال کیے جاتے تھے۔ غالب کو اس مقدمے کے نتیجے میں شدید ذہنی و نفسیاتی دھچکا لگا اور انھیں وہ مقدمہ واپس لینا پڑا جس سے انھیں مزید ذلت اور توہین کا احساس ہوا۔ بقول مولوی عبدالحق، اس علمی تنازع کا بدترین مرحلہ یہی مقدمہ تھا[۹۸]۔ ایک بے مثل شاعر اور نثر نگار کے ساتھ معاشرے کے نام نہاد معززین و شرفا کی جھوٹی گواہیاں اور منافقانہ سلوک اندوہناک ہے اور یقیناً قابلِ مذمت ہے۔

غالب کا نامناسب اندازِ نگارش

لیکن اس کا کیا علاج کہ اس تلخ نوائی و فحش گوئی کا آغاز خود غالب نے کیا تھا اور انھوں نے قاطعِ برہان میں اور اپنی دیگر تحریروں میں بھی مؤلفِ برہانِ قاطع اور دیگر لوگوں کے خلاف تضحیک و تحقیر اور فحش و دشنام کے الفاظ کا استعمال جائز سمجھا بلکہ

ان کے خیال میں ان کی بذلہ سنجی سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے[۹۹] جیسا کہ غالب کے ایک شعر سے بھی ظاہر ہے جو ان کے مؤیّدِ برہان کے جواب میں لکھے گئے قطعے میں شامل ہے (اس قطعے کے متن مرتبہ غلام رسول مہر کا حوالہ اوپر آچکا ہے)۔ وہ شعر یہ ہے:

زشت گفتم لیک دادِ بذلہ سنجی دادہ ام
شوخیِ طبعے کہ دارم ایں تقاضا کردہ است[۱۰۰]

(ترجمہ: میں نے کچھ ناشائستہ کہا لیکن میں نے بذلہ سنجی کی داد دی ہے۔ میں جو شوخیِ طبع رکھتا ہوں یہ اس کا تقاضا تھا۔)

غالب نے برہان کے مؤلف محمد حسین برہانؔ کا ذکر قاطعِ برہان میں جگہ جگہ "دکنی" کے نام سے تحقیراً کیا ہے۔ دکنی ہونا کوئی عیب نہیں مگر غالب کے نزدیک شاید دکن کے لوگوں کو زبان و ادب سے کوئی علاقہ نہ تھا لہٰذا انھیں لغت لکھنے کا بھی حق نہ تھا۔ دراصل دکن اور بنگال نیز پنجاب و گجرات کے اہلِ علم اور اہلِ قلم کے خلاف شمالی ہند کے لکھنے والوں (خواہ وہ میر تقی میر ہوں یا محمد حسین آزاد) کا یہ عمومی رویہ رہا ہے کہ شمالی ہند سے باہر کے تخلیق کار نہ تو اچھے شاعر ہیں اور نہ کوئی قابلیت رکھتے ہیں[۱۰۱]۔ سرِ دست یہ ہمارا موضوع نہیں ہے لیکن یہ بہت اہم بات ہے اور سوائے شمس الرحمٰن فاروقی کے کسی نے کبھی اس پر شاید ہی اظہار خیال کیا ہو۔ فاروقی صاحب کے بقول جمیل جالبی صاحب نے تو ولی دکنی / گجراتی کی تاریخِ وفات کو بھی مؤخر کرنے کی کوشش کی تاکہ ولی دکنی پر دہلی کی شاعری کے اثرات کو کمک پہنچائی جاسکے۔[۱۰۲] (اور اس طرح شمالی ہند میں اردو شاعری کے فروغ کا سہرا ولی دکنی یعنی ولی گجراتی کے سر سے اتارا جاسکے)۔

برہانِ قاطع پر تنقید کرتے ہوئے غالب کا انداز طنز و تعریض، پھبتی اور دشنام اور تلخی سے عبارت ہے۔ بلکہ وہ کہیں کہیں فحش گوئی پر بھی اتر آتے ہیں۔ اپنے اردو خطوط میں غالب نے جس لطیف مزاح اور شگفتگی کی مثالیں پیش کی ہیں ان کے اس لطیف و شگفتہ انداز کا معاصرانہ چشمکوں اور بالخصوص فارسی کے لغت نویسوں اور فارسی کے اہلِ علم کے ذکر میں نام و نشان کم ہی ملتا ہے۔ غالب کی فحش گوئی کی مثال میں قاضی عبدالودود نے ان کی اردو تحریر سے ایک اقتباس درج کیا ہے (لیکن وہ اتنا فحش ہے کہ اس کو یہاں پیش نہیں کیا جاسکتا)[۱۰۳]۔ قاضی صاحب نے ایک اور جگہ لکھا ہے کہ لطائفِ غیبی میں غالب کا ایک فارسی شعر ہے لیکن وہ اتنا بے ہودہ ہے کہ میں اسے نہیں لکھ سکتا[۱۰۴]۔ غالب نے مفتی محمد عباس کو جب قاطعِ برہان بھیجی تو غالب کی اسی شوخی اور بے جا ظرافت کی وجہ سے انھوں نے رسید میں کتاب کی تعریف کے بعد یہ شعر لکھا:

ظرافت نے آفت کو برپا کیا
درشتی نہ کرنی تھی، یہ کیا کیا[۱۰۵]

اب ہم کچھ اقتباسات قاطعِ برہان سے پیش کرتے ہیں تاکہ دیکھا جاسکے کہ غالب کا اندازِ تنقید کس طرح تضحیک و تعریض سے مملو ہے اور وہ کس طرح علمی بحث میں ذاتیات کو لے آتے ہیں۔ یہاں غالب کی طرف سے کی گئی اغلاط کی نشان دہی درست یا غلط ہونے یا صحت و عدم صحت کی بحث نہیں ہے (اور اس پر پروفیسر نذیر احمد اپنی کتاب میں نہایت عمدگی سے روشنی ڈال بھی چکے ہیں) بلکہ یہاں صرف غالب کے توہین آمیز اور تمسخرانہ انداز کی نشان دہی مقصود ہے (یہاں قاضی عبدالودود[۱۰۶] اور غلام رسول مہر[۱۰۷] کے متون سے استفادہ کیا گیا ہے):

غالب لفظ 'آغار' اور 'آغاریدن' کی بحث میں ضمنی طور پر لفظ 'آغشتہ' کا ذکر کرتے ہیں کہ برہان نے اس میں کیا غلطی کی ہے، لیکن انداز دیکھیے۔ لکھتے ہیں: "آ غشته بشینِ منقوطه و بفتحِ غین یاد کرد، و معنیِ آن سوای معنیِ آ غشته نشان داد۔ ہی !ہی!این بندۂ خدا چه ژاژ میخاید"[۱۰۸]۔

(ترجمہ لفظ آغشتہ، شین سے اور غین پر زبر کے ساتھ، لکھا ہے۔ اور اس کے معنی لکھے، سوائے آغشتہ کے معنی کے۔ ہائے افسوس! یہ شخص کیا بکواس کرتا ہے۔)

دیکھیے لفظ 'آمادن' کے ذیل میں تنقید کرتے ہوئے کیسی بات لکھی اور مؤلفِ برہان کو کس لقب سے نوازا۔ کہتے ہیں "اما آمادن جز در قیاسِ بوہرۂ دکنی موجود نیست که آماده مفعولِ آن تواند بود"[۱۰۹]۔

(ترجمہ لیکن آمادن (یعنی تیار کرنا، آمادہ کرنا) سوائے بوہرۂ دکنی کے قیاس کے کہیں وجود نہیں رکھتا کہ آمادہ اس کا مفعول ہو سکے۔)

لفظ 'ات' کے ذیل میں برہانِ قاطع پر تبصرہ کرتے ہوئے مؤلفِ برہان کو آنکھ اور دل سے محروم قرار دیا۔ کہتے ہیں:

تابِ ضبط نماند۔ بی ادبی میکنم، ومیگویم که این مردِ دکنی که جامعِ این دفتر است نه چشم دارد تا ببیند ونه دل دارد تابداند که ضمیرِ مخاطب تنہا تاے قرشت است نه ات[۱۱۰]۔

(ترجمہ: ضبط کی تاب نہ رہی۔ بے ادبی کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ یہ دکنی مرد جو اس کتاب کا مولف ہے اس کے پاس نہ آنکھ ہے کہ دیکھے، نہ دل ہے کہ جانے کہ ضمیرِ مخاطب صرف 'ت' ہے نہ کہ 'ات'۔)

لفظ 'اثیژ' کے اندراج پر تنقید کرتے ہوئے اسے ہیجڑا کہہ دیا۔ لکھا ہے "لغتی که آن را نه عجمی توان فهمید [و] نه عربی، مانندِ خُنثیٰ که نه زنست ونه مرد، پرده از رخ کشود"[۱۱۱]۔

(ترجمہ: یہ لفظ کہ اسے نہ عجمی سمجھ سکتا ہے اور نہ عرب، اس ہیجڑے کے مانند ہے کہ نہ عورت ہے اور نہ مرد، چہرے سے پردہ ہٹا۔)

لفظ 'ثغ' کی بحث میں غالب نے برہانِ قاطع میں درج الفاظ کو زنِ فاحشہ کی اولاد قرار دیا جس کے نطفے کا خود اسے بھی علم نہیں ہوتا۔

لکھتے ہیں:بیشتر لغاتِ منقولۂ این بزرگوار با ولاد ِ بطنِ زنِ روسپی ماندکه ہیچ کس بلکه خود آن زنِ زاینده نیز نداند که این نطفۂ کیست و آن از تخم از کدام کس‘‘[۱۲]۔

(ترجمہ: اس بزرگوار کے نقل کردہ بیشتر الفاظ اس فاحشہ عورت کی اولاد کی طرح ہیں کہ کسی کو بلکہ خود اس جنم دینے والی کو بھی نہیں معلوم کہ یہ نطفہ کس کا ہے اور یہ تخم کون سا ہے۔)

لفظ دیماس کی بحث کے تحت مؤلفِ برہانِ قاطع کو فارسی میں اندھا، عربی میں نابینا اور مُعوَّج الذّہن کہا جس کا، بقولِ غالب ذہن کج، قیاس نادرست اور فکر نارسا ہے۔ لکھتے ہیں: ’’و چون صاحب ِ برہان چنانکه در فارسی کور است و در عربی نیز اعمیٰ است، لاجرم اغلاط بیشتر بجا ست۔ کس چه کند، صاحب ِ برہان ہمه جا کج میرود ، ذہنی دارد معوّج و قیاسی دارد نادرست و فکری دارد نارسا‘‘[۱۳]۔

(ترجمہ: اور چونکہ برہانِ قاطع کا مولف فارسی میں نابینا ہے اور عربی میں بھی اندھا ہے اس لیے بیشتر غلطیاں یقینا بجا ہیں۔ کوئی کیا کرے۔ مولفِ برہانِ قاطع ہر جگہ ٹیڑھا چلتا ہے۔ اس کا ذہن ٹیڑھا ہے، اس کا قیاس نادرست ہے اور اس کی فکر نارسا ہے۔)

’سلک لآلی‘ کے ذیل میں غالب کہتے ہیں: ’’دکنی که در جوانی دانش نیندوخت آنچه از مادر شنیده بود، فرایاد داشت ، به فرہنگ آورد۔ آنانکه قولِ پدرِ دکنی ہرزه انگاردکلام ِ مادر ش چرا سند پندارند‘‘[۱۴]۔

(ترجمہ: دکنی نے جوانی میں علم حاصل نہیں کیا۔ جو کچھ اپنی ماں سے سنا تھا اسے بعد میں بھی یاد رکھا اور اسے فرہنگ میں داخل کر دیا۔ جن لوگوں نے دکنی کے باپ کی بات کو بے ہودہ سمجھا وہ اس کی ماں کی بات کو کس لیے سند مانتے۔)

مؤلف برہان پر قاطعِ برہان میں تنقید کی چند اور مثالیں:-

’’این مردکه در ژاژ خائی ہمتای ندارد‘‘[۱۵]۔

(ترجمہ: یہ شخص بکواس کرنے میں اپنا ہم سر نہیں رکھتا۔)

’’اکنون از محمد حسین دکنی می پرسم که این دو لغتِ غلط یعنی بپسودان و بپساویدن از کجا دریوزه کرد‘‘[۱۶]۔

(ترجمہ: اب میں محمد حسین دکنی سے پوچھتا ہوں کہ یہ دو الفاظ ’بپسودان‘ اور بپساویدن ‘ کہاں سے بھیک میں مانگے؟)

’’و باقی ہمه خرافات‘‘[۱۷]۔

(ترجمہ: اور باقی تمام خرافات ۔)

’’آرزو دارم که جامعِ برہانِ قاطع را شبی در خواب بنگرم تا بپرسم که ’ہر چیز که آن را ذبح کرده باشند‘ چه معنی دارد‘‘[118]۔

(ترجمہ: میری آرزو ہے کہ برہان قاطع کے مولف کو کسی رات خواب میں دیکھوں تا کہ اس سے پوچھوں کہ ’ہر چیز کہ آن راذبح کردہ باشند‘ کا کیا مطلب ہے۔)

’’اے بوہرۂ! از خرد بے بہره ‘‘[119]۔

(ترجمہ: اے بوہرہ! تو عقل سے بے بہرہ ہے۔)

’’این دکنی آبروی فرہنگ نگاری ریخت ‘‘[120]۔

(ترجمہ: اس دکنی نے لغت نویسی کی آبرو خاک میں ملادی)

ان مثالوں سے اندازہ کیجیے کہ غالب نے قاطعِ برہان میں کیسی بدزبانی اور بے ہودگی روا رکھی ہے۔

کیول رام ہوشیار دہلوی کے نام اپنے ایک خط میں لکھا:

ان سب فرہنگ لکھنے والوں میں یہ دکن کا آدمی [محمد حسین تبریزی] یعنی جامعِ برہانِ قاطع احمق اور غلط فہم اور معوّج الذہن ہے، مگر قسمت کا اچھا ہے۔ مسلمان اس کے قول کو آیت اور اور حدیث جانتے ہیں اور ہندو اس کے بیان کو مطالب مندرجۂ بید کے برابر مانتے ہیں۔[121]

غالب کو اعتراف ہے کہ انھوں نے برہان کو سخت وسست کہا ہے لیکن ان کا خیال ہے کہ ان کی ’’بذلہ سنجی‘‘ سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے حالاں کہ غالب کی یہ ظرافت اور بذلہ سنجی کہیں کہیں شائستگی کی حدود سے باہر نکل جاتی ہے[122]۔ مزے کی بات یہ ہے کہ مخالفین کو اور مؤلفِ برہانِ قاطع کو برا بھلا کہنے کے باوجود غالب قاطعِ برہان میں یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ میں نے برہان پر تنقید حق کا اعلان کرنے اور کھوٹے کو کھرے سے الگ کرنے کی لیے کی ہے اور اس میں حریفانہ اور ظریفانہ انداز ہے نہ کہ مخنثوں اور بے وقوفوں کی طرح فحش اور گالی سے کام لیا ہے۔ اس موقعے پر غالب کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

عزیزی که بمن گفت که ترا از تخطیۂ جامعِ برہانِ قاطع غرض چیست۔ گفتم اعلانِ حق، قلب از جیّدو جعل از اصل جدا میکنم۔ چناں چه مرشدِ کامل تفرقۂ وساوسِ شیطانی از خطراتِ رحمانی خاطر نشانِ طالبانِ راہِ حق میکند۔ اگر طبعِ سلیم داری بپذیر، اگر تردیدِ کلام میکنی، ناسزا مگوی و دشنام مده، حرفہای سود منِدِ خرد پذیر در ضمیر فراہم آر، وعبارتی ترکیب دِه که اگر فصیح نبود باری سوالِ دیگر جوابِ دیگر نباشد۔ من دردِ سخن دارم، و از دروغ می رنجم، ازان راه جامعِ برہانِ قاطع را زشت میگویم۔ آن ہم ظریفانه و حریفانه، ببذله و لطیفه، نه مخنثانه و سفیہانه، بفحش و دشنام۔[123]

(ترجمہ: ایک عزیز نے مجھ سے کہا برہانِ قاطع کے مولف پر تنقید کرنے سے تمھیں کیا غرض ہے۔ میں نے کہا حق کا اعلان، کھوٹے کو معتبر سے اور جعلی کو اصلی سے جدا کرتا ہوں۔ جیسے مرشدِ کامل شیطانی وسوسوں اور رحمانی خیالات کی طالبانِ راہِ حق کے لیے نشان دہی کرتا ہے۔ اگر تم طبعِ سلیم رکھتے ہو تو قبول کرو اور اگر میری بات کی تردید کرتے ہو تو ناروا بات نہ کہنا اور گالی نہ دینا۔ عقل کی باتیں اپنے باطن کو فراہم کرو اور ایسی عبارت مرتب کرو کہ اگر وہ فصیح نہ بھی ہو تو 'سوال کچھ اور جواب کچھ' کے مصداق نہ ہو۔ میں دردِ سخن رکھتا ہوں اور جھوٹ سے مجھے رنج ہوتا ہے۔ اسی لیے برہانِ قاطع کے مولف کو برا کہتا ہوں، اور وہ بھی حریفانہ اور ظریفانہ اور بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کے انداز میں نہ کہ ہیجڑوں اور احمقوں کی طرح فحش اور گالی کے ساتھ۔)

لیکن، معذرت کے ساتھ، قاطعِ برہان میں جو فحش و دشنام ہے وہ ظریفانہ کم ہے اور سفیہانہ زیادہ، بلکہ مخنثوں کی گالیوں سے کم نہیں۔ اس کی مثالیں ہم اوپر درج کر چکے ہیں اور کچھ مثالیں درج نہیں کر سکتے کہ تہذیب و متانت سے بعید ہیں۔ غالب کا یہ عجیب رویہ تھا کہ انھوں نے اپنی حمایت میں دوسروں کے نام سے جو کچھ لکھا اس میں بھی اپنی بد گوئی کو ظرافت کا نام دے کر جواز تراشنے کی کوشش کی اور اگر کسی نے ان پر اسی انداز میں تنقید کی تو انھیں بہت تکلیف پہنچی اور اسے انھوں نے ناروا اور ناسزا قرار دیا۔ مثلاً لطائفِ غیبی میں (جو بظاہر میاں داد خاں سیاح کے نام سے چھپی اور دراصل غالب کی تصنیف تھی یا کم از کم اس میں غالب کا بڑا حصہ تھا) لکھا ہے:

> حضرتِ غالب نے برہانِ قاطع کی اغلاط پر اعتراضات لکھے ہیں۔ کہیں کہیں از راہِ شوخیِ طبعِ ظریفانہ بہ طریقِ بذلہ رقم سنج ہوئے۔ منشی جی نے حضرتِ غالب کی شان میں سفیہانہ وہ کلماتِ ناسزا لکھے ہیں کہ ایسے کلمات کوئی شریف النفس بہ نسبت کسی آدمی کے نہ لکھے گا۔[124]

جب کہ غالب نے خود ایسے کلمات دوسروں کی نسبت لکھے ہیں۔ گویا غالب کے لیے برے کلمات لکھا جانا حماقت اور ناروا ہے البتہ غالب اگر کچھ ناسزا بھی لکھیں تو وہ بذلہ سنجی اور ظرافت ہے لہٰذا روا ہے۔ لیکن ایک طرح سے غالب نے خود کو "شریف النفس" کے زمرے سے خارج کر دیا ہے کیوں کہ وہ خود دوسروں کے لیے "کلماتِ ناسزا" لکھ چکے تھے۔ رسالہ سوالاتِ عبدالکریم میں غالب نے لغت اور زبان دانی کی بحث میں مخالف کے بھائی کے شیعہ عقائد پر فرقہ وارانہ رنگ میں حملہ کیا ہے[125] (جس کو یہاں مقتبس کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا)، حالاں کہ مصنف کے بھائی کے مذہبی عقائد اور مسلک کا لغت اور الفاظ کی بحث سے کوئی تعلق نہیں بلکہ خود مؤلف کے مذہبی عقائد یا مسلک و مشرب کا بھی علمی بحث سے کوئی تعلق نہیں اور یہ علمی معاملات میں ذاتیات کو گھسیٹنے کے مترادف ہے۔ تیغِ تیز میں بھی غالب کا انداز ناشائستہ ہے۔ اس کی فصل تین (۳) کے آغاز ہی میں غالب نے "لوطیانِ ایران" سے متعلق ایک روایت بیان کی ہے اور اسے مؤلفِ قاطع برہان پر منطبق کیا ہے اور آگے چل کر فصل چھے (۶) میں بھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مؤلفِ برہان اور اس کے حامیوں کی تضحیک کی ہے۔ یہ روایت اتنی فحش ہے کہ جب سید

وزیر الحسن عابدی نے افاداتِ غالب کے عنوان سے غالب کی لطائفِ غیبی، رسالہ سوالاتِ عبدالکریم اور تیغِ تیز کو مرتب کیا تو تیغِ تیز کی اس فصل کے ابتدائی جملے حذف کر کے حاشیے میں وضاحت کی کہ کئی جملے فحش ہونے کی بنا پر چھوڑ دیے گئے ہیں [۱۲۶]۔ ہم بھی اسے یہاں نقل نہیں کر سکتے۔ البتہ قاضی عبدالودود [۱۲۷] اور خلیل الرحمٰن داؤدی [۱۲۸] نے اسے اپنے مرتبہ متون میں شامل کیا ہے جن میں تیغِ تیز بھی شامل ہے۔ اس موقعے قاضی عبدالودود نے لکھا ہے کہ تیغِ تیز میں غالب کی ظرافت فحاشی کی انتہا تک پہنچی ہوئی ہے نیز یہ کہ غالب اس غلطی پر پشیمان تو کیا ہوتے ان کا قلم اور بے لگام ہو گیا [۱۲۹]۔

اس ضمن میں غالب کی اردو تحریروں سے بھی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ لیکن بخوفِ طوالت دیگر مثالوں سے گریز کیا جاتا ہے۔ کچھ جو کم فحش ہیں ان کو نقل کرنے میں تہذیب بھی دامن گیر ہے اور مقصود بھی صرف یہ کہنا ہے کہ غالب کا انداز برہانِ قاطع کے مناقشے میں تہذیب و شائستگی سے بہت دور ہے، خواہ وہ قاطعِ برہان ہو یا اس ضمن میں ان کی دیگر تحریریں، سب میں قابلِ اعتراض انداز موجود ہے۔ اس کا ثبوت اوپر قاطعِ برہان کے متعدد ایسے اقتباسات کی صورت میں دیا گیا ہے جو نسبتاً کم ناشائستہ ہیں۔ اس معاملے میں شیخ محمد اکرام کی رائے قابلِ غور ہے، وہ لکھتے ہیں کہ افسوس یہ ہے کہ یہ بحث پست سطح پر جاری رکھی گئی اور اس کی ایک وجہ غالب کا طرزِ تحریر تھا، قاطع میں غالب کا انداز ضرورت سے زیادہ شوخ تھا اور صاحبِ برہان کا جابجا مضحکہ اڑا گیا ہے۔ اگر برہان میں غلطیاں تھیں تو قاطع میں بھی غلطیاں ہیں [۱۳۰]۔ پھر غالب کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کے مخالف آغا احمد علی کو ایرانی النسل ہونے کے باوجود فارسی کا اہلِ زبان نہ سمجھا جائے اور خود ان کو فارسی کا اہلِ زبان شمار کیا جائے خواہ وہ اور ان کے آباو اجداد کا تعلق ایران سے نہ ہو [۱۳۱]۔ اس طرح کے خود پسندانہ خیالات کا اظہار غالب نے فارسی زبان و ادب و لغت اور ان کی سند کے سلسلے میں بارہا کیا ہے۔

غالب نے اکتیس (۳۱) اشعار کا جو قطعہ مؤیّدِ برہان کو دیکھے بغیر، صرف اس کی اطلاع پا کر، جواب میں لکھا تھا اس میں بھی نسل پرستی، علاقائی تعصب اور مذہبی تعصب بھی نمایاں ہے۔ مؤلفِ مؤیّدِ برہان مولوی احمد علی کے بنگال سے تعلق رکھنے پر طنز کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے آباو اجداد کا اصفہان سے تعلق رکھنا بے سود ہے (یہاں اشعار غلام رسول مہر کے مرتبہ متن سے لیے گئے ہیں اور اس کا حوالہ حواشی میں آیا ہے):

خواجہ را از اصفہانی بودنِ آبا چہ سود
خالقش در کشورِ بنگالہ پیدا کردہ است [۱۳۲]

(ترجمہ: خواجہ کے آباو اجداد کا اصفہانی ہونا اس کے لیے سود مند نہیں ہے کیونکہ خود اسے خالق نے ملک بنگال میں پیدا کیا ہے۔)

غالب نے قتیل کے سابقہ مذہب (ہندو مت) کی طرف انگشت نمائی کی ہے:

در جہاں توام بود روے و ے پشتِ قتیل
پیشواے خویش ہندو زادۂ کردہ است[۱۳۳]

(ترجمہ: وہ اور قتیل ایک پشت سے ہیں (اور اسی لیے) ہندو زادے کو اپنار ہنما بنایا ہے۔)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لغت کی بحث میں ہندو اور مسلمان کے ذکر کا کیا تُک ہے؟ دل چسپ بات یہ ہے کہ غالب کہتے ہیں کہ لڑائی میں گالی دینا بازاریوں کا کام ہے اور آغا احمد علی نے گالی دی ہے لیکن غالب نے اس بات کو قطعاً فراموش کر دیا کہ وہ خود اس مناقشے میں فحش و دشنام سے کام لیتے رہے ہیں، گویا اس بات کی زد خود ان کی ذات پر بھی پڑ رہی ہے، ملاحظہ ہو:

در جدل دشنام کارِ سوقیاں باشد بلے
ننگ دارد علم زاں کارے کہ آغا کردہ است[۱۳۴]

(ترجمہ: لڑائی میں گالی دینا بازاریوں کا کام ہے۔ لیکن آغا (احمد علی) نے جو کام کیا ہے اس سے علم شرمندہ ہے۔)

لیکن افسوس کہ ہمارے اکثر ماہرینِ غالبیات نے اس قطعے کی برجستگی اور مزاح کی تعریف کرتے ہوئے غالب کے تعصب، نسل پرستی اور تنگ نظری کو نظر انداز کر دیا ہے۔ عمومی طور پر بھی غالب کے اس نازیبا اندازِ نگارش کی مذمت نہیں کی گئی یا محض دبے لفظوں میں اس کی جانب اشارہ کیا گیا۔ البتہ قاضی عبدالودود نے غالب کے اس رویے پر کھل کر تنقید کی۔

فارسی لغات اور فارسی دانوں پر غالب کی تنقید

غالب مؤلفِ برہان کے علاوہ برعظیم پاک و ہند کے دیگر فارسی لغت نویسوں اور فارسی دانوں، مثلاً مؤلفِ غرائب اللغات عبدالواسع ہانسوی، مرزا قتیل اور مؤلفِ غیاث اللغات مولوی غیاث الدین، پر بھی شدید تنقید کرتے ہیں اور ان کو ''الو کا پٹھا'' اور ''گھاگس'' جیسے برے القابات سے نوازتے ہیں۔ خود کو فارسی کے معاملے میں قاضی یا حَکَم قرار دیتے ہیں۔ یہ انداز غالب کی اردو تحریروں میں بھی موجود ہے اور اب ہم کچھ اقتباسات غالب کی اردو تحریروں سے پیش کرتے ہیں تاکہ واضح ہو سکے کہ برہان اور دیگر فارسی لغات پر تنقید کرتے ہوئے غالب کے نامناسب انداز میں کس طرح کی پھبتیاں اور نازیبا الفاظ تک شامل ہیں۔

ہرگوپال تفتہ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

سنو میاں! میرے ہم وطن، یعنی ہندی لوگ جو وادیِ فارسی دانی میں دَم مارتے ہیں، وہ اپنے قیاس کو دخل دے کر ضوابط ایجاد کرتے ہیں، جیسا وہ گھاگس، عبدالواسع ہانسوی، لفظ ''نامراد'' کو غلط کہتا ہے اور یہ الو کا پٹھا قتیل، ''صفوت کدہ، شفقت کدہ، نشتر کدہ''، کو اور ''ہمہ عالم'' و ''ہمہ جا'' کو غلط کہتا ہے۔ کیا میں بھی ویسا ہی ہوں جو ''یک زماں'' کو غلط کہوں گا؟ فارسی کی میزان یعنی ترازو میرے ہات [کذا] میں ہے۔[۱۳۵]

قتیل اور مولوی غیاث الدین خاص طور پر غالب کی چڑ ہیں۔ قتیل کو ”لالہ“ کہہ کر ہندو ہونے کا طعنہ دیتے ہیں، اس کا تعلق فرید آباد سے ہونے پر بھی معترض ہیں، اسے ”فرید آباد کا کھتری“ کہتے ہیں بلکہ اس کو ”نو مسلم“ ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ چوہدری عبدالغفور سرور کو لکھتے ہیں: ”جب آپ لالہ قتیل کے گھڑے ہوئے فقرے دیکھ چکے ہیں تو مجھ کو فقرہ تراشی کی تکلیف کیوں دیتے ہیں“۔[۱۳۶] ایک اور خط میں ان کو لکھا: ”اب ایسا ہوا کہ جب تک فرید آباد کا کھتری دیوالی سنگھ ثم متخلص بہ قتیل، جس کو حضرت نے مرحوم لکھا ہے، اس کی تصدیق نہ کرے، تب تک اس کا کلام قابلِ استناد نہ ہو؟“[۱۳۷]۔ گویا اسے ”مرحوم“ لکھے جانے پر بھی معترض ہیں، یعنی ان کے خیال میں اسے ”مرحوم“ کے بجائے غیر مسلموں کی طرح ”آں جہانی“ لکھا جانا چاہیے تھا البتہ غالب اپنے ہندو دوستوں یا شاگردوں کے لیے رحمت و سلامتی کے متمنی ہیں اور خطوط میں انھیں دعائیں لکھتے ہیں (گویا جو دوست ہے اگر ہندو بھی ہے تو رحمت کا مستحق ہے اور اگر کسی نو مسلم کے لیے ناپسندیدگی ہے تو وہ ”مرحوم“ یعنی رحم کیے جانے کے قابل نہیں ہو سکتا)۔

قاضی عبدالجلیل جنون کو لکھتے ہیں: ”غیاث الدین رام پور میں ایک ملاے مکتبی تھا، ناقلِ ناعاقل، جس کا ماخذ اور مستند علیہ قتیل کا کلام ہو گا۔ اس کا فنِ لغت میں کیا فرجام ہو گا؟“[۱۳۸]

ضیاء الدین خاں ضیاء دہلوی کو ایک خط میں غالب کہتے ہیں:

> ۸۰۰ھ، ۹۰۰ہجری میں ہوس ناک لوگ فارسی کے فرہنگ لکھنے پر متوجہ ہوئے۔ نہ ایک، نہ دو بلکہ ہزار در ہزار فرہنگیں فراہم ہو گئیں [اس پر مہر نے حاشیے لکھا ہے یہ بیان بداہتہً مبالغے پر مبنی ہے]۔ یہاں تک کہ قتیلِ نو مسلم لکھنوی اور غیاث الدین ملاے مکتب دار رام پوری اور کوئی روشن علی جون پوری اور کہاں تک کہوں کون کون، جس کے جی میں آئی وہ متصدیِ تحریرِ قواعد [و] انشا ہو گیا۔ میں ان سب کو یا ان میں سے مختص فلاں وہماں کو اپنا مطاع کیونکر جانوں اور کس دلیل سے ان کے تحکم کو مانوں؟۔[۱۳۹]

شاہ عالم مارہروی کو غالب لکھتے ہیں: ”اصل فارسی کو اس کھتری بچے قتیل علیہ ماعلیہ نے تباہ کیا۔ رہا سہا غیاث الدین رام پوری نے کھو دیا“۔[۱۴۰]

غالب نے دیگر فارسی لغات پر بھی اعتراض کیے، خاص طور پر غیاث اللغات پر۔ بلکہ ایک آدھ بات غیاث اللغات کے بارے میں ایسی ناشائستہ لکھی ہے کہ اس کا نقل کرنا بھی زیب نہیں دیتا۔ غیاث اللغات کے مؤلف مولوی غیاث الدین کا غالب بالعموم ناشائستہ انداز میں ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً تیغِ تیز میں لکھتے ہیں:

> جو میاں انجو [مؤلفِ فرہنگِ جہانگیری] کو نہ مانے گا وہ میانجی غیاث الدین کو کیا جانے گا۔۔۔ ایک گمنام ملا، مکتب دار۔ چند صاحبِ مقدور لڑکے اس کے مکتب میں پڑھتے تھے۔ انھوں نے صرفِ زر میں اس کو مدد دی، مثل بندر کے، کہ جس نے نجّار کی تقلید کی تھی۔[۱۴۱]

حالاں کہ غیاث اللغات کے مؤلف اتنے گئے گزرے بھی نہ تھے اور غیاث اللغات کو ایران کے معروف عالم قزوینی نے فرہنگِ نفیس کہا ہے"[۱۴۲]۔ مولوی غیاث الدین عالم آدمی تھے، کئی کتابوں کے مصنف تھے اور انھوں نے غیاث اللغات کی تالیف میں چالیس سے زیادہ لغات اور دیگر کتابوں سے استفادہ کیا مگر غالب مولوی غیاث کا ذکر حقارت ہی سے کرتے ہیں البتہ غالب کہیں یہ نہیں بتاتے کہ غیاث اللغات میں کیا اغلاط ہیں اور اس کے مؤلف نے کہاں ٹھوکر کھائی ہے"[۱۴۳]۔ لیکن اسی "ملاے مکتب دار" کے خلاف انھوں نے نواب رام پور کو خط میں کچھ لکھ دیا اور نواب صاحب نے آزردہ ہو کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا کیوں کہ غیاث الدین رام پور کے نوابوں کے استاد تھے اور ان کی وہاں بہت عزت تھی۔ لیکن غالب نے جواب میں ٹال مٹول سے کام لے جان چھڑانے کی کوشش کی۔ اس پر نواب صاحب نے جواب میں سخت الفاظ خط میں لکھے۔ اس کے بعد غالب کی سٹی گم ہوگئی اور انھوں نے معذرت اور عفوِ تقصیر کے لیے نہایت عاجزانہ انداز میں خط لکھا لیکن نواب صاحب کا تکدر دور نہ ہوا"[۱۴۴]۔ غالب کی پریشانی بجا تھی کیوں کہ انھیں دربارِ رام پور سے خاصی یافت ہوتی تھی، چناں چہ یہاں غالب نے غیاث اللغات اور اس کے مؤلف کے بارے میں اپنی رائے سے بظاہر رجوع کر لیا (نواب صاحب کی خفگی اور مالی یافت کے رکنے کے خیال سے)، لیکن باقی تحریروں میں غیاث اللغات اور اس کے مؤلف کے بارے میں غالب کی اصلی رائے نظر آتی ہے۔ یہ ہے غالب کی حق گوئی اور کھرے کو کھوٹے سے الگ کرنے کا انداز جس کا دعویٰ انھوں نے قاطعِ برہان میں کیا ہے بلکہ قاطع کی وجہِ تصنیف بتایا ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر قاطع کے ایک قتباس میں دیکھا۔

فارسی لغت نویسی اور فارسی دانی کے سلسلے میں بھی غالب کی تحریروں سے بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں کہ وہ کس طرح چند ایک لکھنے والوں (مثلاً امیر خسرو اور بیدل) کو چھوڑ کر کسی مقامی فارسی دان یا فارسی نویس کو ذرّہ برابر اہمیت دینے پر تیار نہ تھے۔ لیکن چوں کہ یہ موضوع براہِ راست ہمارے عنوان سے متعلق نہیں ہے لہٰذا اس کی تفصیل سے گریز کیا جاتا ہے۔ مختصراً یہ کہ غالب اہلِ برعظیم پاک و ہند کی فارسی دانی اور فارسی لغت نویسی کے بارے میں بالعموم استہزا سے کام لیتے ہیں۔ غالب خود کو محقق اور مؤلف برہان کو جاہل، پوچ اور لغو قرار دیتے ہیں۔ بلکہ برہانِ قاطع کیا غالب فرہنگ جہانگیری اور فرہنگ رشیدی کو بھی کچھ نہیں سمجھتے تھے[۱۴۵] (حالاں کہ یہ دونوں مستند فارسی لغات سمجھی جاتی ہیں)۔ مؤلفِ برہانِ قاطع حسین تبریزی نے کبھی محقق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ دیباچے میں انکسار کے ساتھ درخواست کی ہے کہ اس کی غلطیوں کی نشان دہی کی جائے"[۱۴۶]۔ لیکن غالب ان کا ذکر برے القابات کے ساتھ کرتے ہیں اور خود کو محقق قرار دیتے ہیں۔ لیکن خود کو محقق سمجھنے والے کی تحقیق کا یہ عالم تھا کہ وہ سرمۂ سلیمانی (مرتبہ تقی اوحدی)، لغتِ فرس (مرتبہ اسدی طوسی) اور حکیم قطران کی مرتبہ لغت کو بھی موہومہ کتابیں سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ان کتابوں کا وجود ہوتا تو تمام لغت نویسوں کا مآخذ یہی کتابیں ہوتیں اور یہ بھی کہا کہ جتنی فرہنگیں ہیں اور جتنے

فرہنگ طراز ہیں وہ سب بغیر مغز کے پیاز کے چھلکے ہیں[۱۴۷]۔ غالب دساتیر کو حرزِ جاں کہتے ہیں لیکن اس کی زبان اور اس کے مطالب سے پوری طرح آگاہ نہیں ہیں، وہ دساتیری عقائد کو زرتشتی عقائد سمجھتے تھے حالاں کہ دونوں میں بہت فرق ہے۔ اسی طرح اوستا کا دساتیر سے کوئی تعلق نہیں، دونوں کی زبانیں الگ ہیں لیکن غالب دساتیر کی زبان سے بھی کماحقہ واقف نہیں ہیں[۱۴۸]، پھر بھی غالب دساتیر کی صداقت کے قائل تھے اور برہان کا یہ بڑا عیب (یعنی دساتیر کے ایسے الفاظ لغت میں شامل کرنا جن کا وجود ہی نہیں تھا) غالب کی نظر میں اس کا سب سے بڑا ہنر قرار پایا[۱۴۹]۔

غالب کی عربی دانی مسلّم نہ تھی اور انھوں نے بعض عربی تراکیب کے لکھنے میں غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے جن کی مثالیں قاضی عبدالودود اور پروفیسر نذیر احمد نے دی ہیں[۱۵۰]، اگرچہ مرزا محمد منور غالب کی عربی دانی کی توصیف میں رطب اللساں ہیں[۱۵۱]۔ لطف یہ کہ، بقول نذیر احمد کے، غالب اور محمد حسین تبریزی میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں قدیم ایران کی تاریخ، دساتیر، تہذیب اور زبان سے ناواقف تھے اور اسی لیے دونوں تصحیف کے جعل میں پھنس گئے اور پھر فرہنگ نویسی کے معیار پر نہ تو برہان پوری اترتی ہے اور نہ غالب فرہنگ نویسی ضابطوں سے پوری طرح واقف تھے، لہٰذا غالب کے ہاں برہان کے رد میں جو شدت ہے وہ بھی بے موقع ہے[۱۵۲]۔

☆قضیے کی جڑ: حامیانِ قتیل اور کلکتے کا معرکہ

بعض محققین، مثلاً خواجہ احمد فاروقی[۱۵۳] اور محمد یعقوب عامر[۱۵۴]، کا خیال ہے کہ قاطعِ برہان کے تنازع کی جڑیں دراصل غالب کے سفر کلکتہ میں پیوست ہیں۔ غالب کے سفر کلکتہ میں ان کا فارسی زبان و ادب پر کلکتے کے جن اہلِ علم اور اہلِ قلم سے معرکہ ہوا تھا وہ مرزا قتیل کے حامی تھے اور غالب کی تغلیط کے لیے اکثر قتیل سے سند پیش کرتے تھے۔ اس امر نے غالب کے دل میں قتیل اور اس کے حامیوں کے خلاف ایک ایسی گرہ ڈال دی کہ وہ قتیل اور اس کے حامیوں کا ذکر آتے ہی بھڑک اٹھتے تھے۔ ان کی یہ ذہنی خلش آخرِ عمر تک موجود رہی اور وہ اپنے اس مکتوب الیہ سے بھی الجھنے لگتے تھے جو قتیل کا حامی ہوتا تھا۔ کلکتے کے معرکے کی نفسیاتی الجھن اور اس کی کئی مثالیں غالب کے خطوط میں اور ان کی دیگر تحریروں میں موجود ہیں جن کا یہاں ذکر طولِ کلام کا باعث ہو گا۔ ان میں سے کچھ کے اقتباسات محمد عامر یعقوب نے اپنی کتاب اردو کے ادبی معرکے میں مع حوالہ جات دے دیے ہیں اور انھیں یہاں دہرانا تحصیلِ حاصل ہو گا۔ محمد یعقوب عامر کا کہنا ہے کہ "کلکتے کا معرکہ قاطعِ برہان کا پیش خیمہ تھا"[۱۵۵]۔ انھوں نے اس ضمن میں غالب کی تحریروں سے کئی اقتباسات بھی پیش کیے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب کو قتیل اور اس کے حامیوں سے گہری عداوت تھی اور اس کا آغاز کلکتے کے معرکے سے ہو گیا تھا[۱۵۶]۔ خواجہ احمد فاروقی کا خیال ہے کہ قتیل اور اس کے حامیوں سے غالب کا اختلاف بھی دراصل برعظیم پاک و ہند میں طویل عرصے سے جاری ایرانی اور ہندی تنازع کا شاخسانہ تھا۔

ان کا خیال ہے کہ معرکۂ حامیانِ قتیل و غالب کو اس تناظر میں دیکھا جائے تو غالب کے افکار اور ان کی مخالفت و موافقت کی بہت سی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں[۱۵۷]۔

خواجہ احمد فاروقی نے غالب کی تحریروں سے کئی اقتباسات ایسے پیش کیے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ غالب خود کو فارسی کا تنہا وارث سمجھتے ہیں اور ہندوستان کے متقدمین و متاخرین فارسی دانوں میں سے ایک آدھ کو چھوڑ وہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے نیز غالب ہر جگہ قتیل کو ہندوستان کے فارسی دانوں کا نمائندہ اور اپنے آپ کو فارسی دانانِ ایرانی نژاد کا علم بردار سمجھتے ہیں[۱۵۸]۔ گویا ہندوستانی فارسی دانوں اور لغت نویسوں کے خلاف غالب کی حقارت ان کی معرکۂ کلکتہ میں خفت اور اس مغالطے اور احساسِ برتری میں مضمر ہے کہ ہندوستان میں مجھ سے زیادہ فارسی کوئی نہیں جانتا۔ قاطعِ برہان میں بھی ایک جگہ لکھا ہے کہ مؤلفِ برہان کے آبا و اجداد تبریز میں پیدا ہوئے لیکن وہ خود تو ہندوستان میں پیدا ہوا تھا لہٰذا وہ فارسی کیسے جان سکتا ہے؟ لکھتے ہیں: ''مولویِ دکنی کہ مولدِ پدر یا نیای او تبریز باشد، و او در ہند متولد گردد، فارسی زبان [چگونہ] تواند دانست''[۱۵۹]۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ غالب خود بھی تو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے (اور خود انھوں نے اسی موقعے پر لکھا ہے کہ میرے آبا و اجداد ماوراالنہر سے آئے تھے) چناں چہ اس اصول کے تحت اگر مؤلفِ برہان کو فارسی نہیں آسکتی تو غالب کو بھی فارسی کیسے آسکتی ہے؟

غیاث اللغات کے مؤلف سے بھی غالب کی عداوت کی وجہ بھی بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ اوّل تو مجھ سے زیادہ فارسی کوئی نہیں جانتا اور مولوی غیاث الدین تو بالکل نہیں جانتا اور نہ قتیل جانتا ہے۔ شاہ عالم مارہروی کے نام ایک خط میں ان دونوں کو ''خرانِ نامشخص'' قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ''خالصاًللہ غور کرو کہ وہ خرانِ نامشخص کیا کہتے ہیں اور میں خستہ و دردمند کیا بکتا ہوں۔ واللہ نہ قتیل فارسی شعر کہتا ہے اور نہ غیاث الدین فارسی جانتا ہے''[۱۶۰]۔

دوسری وجہ شاید یہ ہے کہ غالب کے خیال میں غیاث اللغات کے مؤلف نے اپنے مآخذ میں قتیل کے کلام کو شامل کیا ہے لہٰذا اس کے ''فرومایہ'' ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ غیاث اللغات اور اس کے مؤلف کا ذکر انورالدولہ شفق کے نام ایک خط میں یوں کیا:

> غیاث اللغات ایک نام موقر و معزز جیسے الفربہ خوامخواہ مرد آدمی۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ ایک معلمِ فرومایہ۔ رام پور کا رہنے والا، فارسی سے ناآشنائے محض اور صرف و نحو میں ناتمام، انشاء خلیفہ اور منشآتِ مادھو رام کا پڑھانے والا۔ چناں چہ دیباچے میں اپنا ماخذ ماخذ بھی اوس [کذا] نے خلیفہ شاہ محمد و مادھو رام و غنیمت و قتیل کے کلام کو لکھا ہے۔ یہ لوگ راہِ سخن کے غول ہیں، آدمی کے گمراہ کرنے والے۔ یہ فارسی کو کیا جانیں[۱۶۱]۔

لیکن اولاً، غیاث اللغات کے مآخذ چالیس کے قریب ہیں اور غالب نے صرف چار کے نام لیے ہیں، ثانیاً مؤلفِ

غیاث اللغات نے اپنے مآخذ میں قتیل کے کلام کو شامل نہیں کیا"[۶۲]۔

غالب اور علمِ لغت

صفحاتِ گذشتہ میں جو شواہد پیش کیے گئے ان سے واضح ہے کہ غالب لغت نویسی کے اصولوں سے کماحقہ واقف نہیں تھے اور نہ وہ قدیم فارسی یا ایران کی قدیم تاریخ سے واقف تھے۔ وہ دساتیر کو سند سمجھتے تھے لیکن دساتیر کی زبان سے پوری طرح واقف نہیں تھے اور ہزوارش کے مسائل سے بھی آگاہ نہیں تھے۔ قاطعِ برہان کی تصنیف کے وقت ان کے پاس چند کتب تھیں اور قدیم لغات بھی ان کی دسترس میں نہ تھیں۔ پھر غالب کوئی محقق بھی نہ تھے اور نہ علمِ لغت سے واقف تھے۔ لغت نویسی کے عمومی اصول بیان کر دینا اور بات ہے۔ غالب نہ تو عربی کے عالم تھے، اور نہ ان کے پاس کوئی کتب خانہ تھا"[۶۳]۔ غالب نے خود اعتراف کیا ہے کہ نہ تو ان کی تعلیم زیادہ ہے اور نہ وہ عربی کے عالم ہیں"[۶۴]۔ جب کہ ان کے ایک مخالف، جنھوں قاطع کے جواب میں سب سے عالمانہ کتاب لکھی یعنی مؤلفِ مؤیدِ برہان، آغا احمد علی، عالم فاضل تھے۔ احمد علی مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں ملازم تھے اور ایشیاٹک سوسائٹی کی مطبوعات کی ترتیب و تصحیح کرتے تھے۔ انھوں نے متعدد عالمانہ کام کیے تھے۔ بقولِ ایس ایم اکرام علمِ لغت میں سربلندی حاصل کرنے کے لیے برسوں کی جس تعلیم و تدریس اور تربیت کی ضرورت تھی غالب اس کا دعویٰ نہ کر سکتے تھے، عربی کے وہ عالم نہ تھے نہ ان کے پاس کوئی کتب خانہ تھا اور برہان پر تنقید کے لیے انھوں نے کوئی تحقیق نہ کی تھی، محض حافظے پر بھروسا کیا، چناں چہ غالب بھلا احمد علی جیسے اس پیشہ ور مدرس سے کیسے بازی لے جاسکتے تھے جسے ملک کا سب سے بڑا کتب خانہ (یعنی ایشیاٹک سوسائٹی کا کتب خانہ) میسر ہو اور وہ اس سے پورا فائدہ اٹھانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو"[۶۵]۔

قاطعِ برہان میں غالب نے لغت نویسی کے بارے میں کچھ اصول بیان کیے ہیں لیکن وہ نہ تو تفصیلی ہیں اور نہ ان میں کوئی گہرائی ہے"[۶۶]۔ غالب نے قدیم فارسی فرہنگوں کا مطالعہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ بعض فارسی فرہنگوں کے وجود ہی کے منکر ہیں"[۶۷]۔

قاضی عبدالودود کے نام ایک خط میں حافظ محمود شیرانی نے غالب کی لغت نویسی سے متعلق یہ راے ظاہر کی ہے:

> غالب کو فنِ لغت سے کوئی دل چسپی معلوم نہیں ہوتی ورنہ ایک ایسے شخص کو، جو ان سے دو صدی قبل گزرا ہے اور جس کا دعویٰ ہے کہ میری حیثیت ایک مدوِّن کی ہے نہ موجد کی، اپنی طباعی اور ذہانت کا نشانہ نہ بناتے۔ جو اغلاط میرزا نے صاحبِ برہان کے سر تھوپی ہیں وہی غلطیاں تمام فرہنگ گار جو صاحبِ برہان کے پیش رو ہیں، کر رہے ہیں۔ اور یہ فرہنگ نگار ایک دو نہیں دو درجن سے زیادہ ہیں جو دسویں، نویں اور آٹھویں صدی ہجری میں گزرے ہیں اور اپنی عمروں کا بڑا حصہ صرف کرکے یہ لغات تیار کرتے ہیں۔ اب ایک ناقل اور مرتب پر مرزا صاحب کا غصہ نکالنا بیکار محض معلوم ہوتا ہے، برہانِ قاطع کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب خود ایرانیوں کو اس کا حوالہ دیتے دیکھتے ہیں۔[۶۸]

اگر جذبات سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو ماننا پڑے گا کہ غالب نے قاطعِ برہان لکھ کر ایک علمی خدمت انجام دی اور اس سے ہند ایرانی نزاع کے ایسے گوشوں پر روشنی ڈالی جو اس وقت تک تشنۂ بحث تھے لیکن اس بحث میں ذاتیات پر حملے ہونے لگے تو اس مباحثی کی علمی اور تحقیقی حیثیت ختم ہو گئی[۱۶۹]۔

سخن فہمی یا طرف داری؟

غالب نے کہا ہے:

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرف دار نہیں
دیکھیں اس سہرے سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہرا[۱۷۰]

غالب کے اس دعوے کو تو ماننا چاہیے کیوں کہ شاعری اور اردو نثر میں تو غالب سے بڑھ کر شاید چند ہی ہوں گے، بلکہ بعض امور میں کوئی بھی ان سے بڑھ کر نہیں ہے۔ غالب کی شاعرانہ عظمت میں کوئی کلام نہیں ہے البتہ لغت نویسی اور علمِ لغت کا جہاں تک تعلق ہے تو اس میں غالب کی مہارت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن حیرت انگیز طور پر غالب کے بیش تر پرستاروں کا خیال ہے کہ قاطعِ برہان میں فرہنگ نویسی سے متعلق اصولی بحثیں اعلیٰ درجے کی ہیں، اسی طرح بیشتر محققین نے غالب کی لغت نویسی سے متعلق سخن فہمی کے بجائے غالب کی طرف داری کا رویہ اپنایا ہے۔ ناقدین نے غالب کی لغت نویسی کی جو داد دی ہے اس کی بنیاد محض غالب سے عقیدت ہے اور اس کا کوئی ٹھوس ثبوت وہ نہیں دے سکے۔ لہٰذا یہاں سخن فہمی سے زیادہ غالب کی طرف داری کا عمل دخل معلوم ہوتا ہے۔ بعض دیگر معاملات میں بھی غالب کی شخصیت سے حسنِ ظن ہی اس توصیف و تحسین کی بنیاد محسوس ہوتا ہے۔

آیئے ایک نظر ہم غالب کے پرستاروں کی ان تنقیدی آرا پر ڈالتے ہیں جو غالب کی لغت نگاری اور برہانِ قاطع کے ہنگامے سے متعلق ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ ان میں سخن فہمی کتنی ہے اور غالب کی طرف داری کتنی۔

مثلاً الطاف حسین حالی کا رویہ دیکھیے کہ انھوں نے برہانِ قاطع کی ان اغلاط کا ذکر کیا ہے جن کی نشان دہی غالب نے قاطعِ برہان میں کی ہے اور حالی نے غالب کی حمایت کرتے ہوئے لکھا ہے: ''چند مقامات کے سوا جہاں فی الواقع مرزا سے لغزش ہوئی ہے، اور بعض غلطیوں کا انھوں نے خود بھی اقرار کیا ہے، ان کے تمام ایراد واجبی معلوم ہوتے ہیں''[۱۷۱]۔ اس کے بعد حالی غالب کے مخالفین کے ان اعتراضات کو درست تسلیم کرتے ہیں جو غالب کے اعتراضات کے جواب کے طور پر پیش کیے گئے تھے۔ لیکن پھر حالی ان تمام درست جوابات کو یہ کہہ کر مسترد بھی کر دیتے ہیں کہ فارسی کی جن لغات سے غالب کے مخالفین نے اپنے جوابات کی تائید حاصل کی ہے وہ سب چوں کہ ہندوستان میں لکھی گئی ہیں اور نقل در نقل ہیں لہٰذا ان جوابات کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی[۱۷۲]۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اگر ان ہندوستانی لغت نویسوں کی فارسی استناد کے قابل نہیں ہے تو یہی اعتراض خود غالب پر بھی

وارد ہوتا ہے کیوں کہ غالب خود کون سے ایرانی تھے یا فارسی کے اہلِ زباں تھے، وہ بھی تو ہندوستانی ہی تھے لہٰذا ان کی فارسی دانی بھی ناقابلِ اعتبار ٹھہرتی ہے۔ لیکن چوں کہ مقصد غالب کی حمایت تھا لہٰذا اس کا معروضی تجزیہ حالی پیش نہیں کر سکے۔ اس ضمن میں اطہر ہاپوڑی کی رائے کا بھی ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب اظفار اللغات میں ایسے الفاظ دیے ہیں جو بقول ان کے فارسی ہیں لیکن ہندوستان میں ان کے فارسی ہونے پر شبہہ ظاہر کیا گیا۔ پھر وہ الفاظ دیے ہیں جو در حقیقت فارسی نہیں ہیں لیکن ہندوستان میں ان کو فارسی سمجھا جاتا ہے۔ اطہر ہاپوڑی نے ہر لفظ کی سند فرہنگِ ناصری سے دی ہے۔ افسوس کہ اطہر ہاپوڑی کی یہ لغت دست یاب نہیں ہے لیکن نقوش (لاہور) میں اپنی مختصر آپ بیتی میں اطہر ہاپوڑی نے جہاں اپنی اس کتاب کا ذکر کیا ہے وہاں ایک اہم بات قاطعِ برہان سے متعلق بھی لکھی ہے جس کا محاکمہ بھی اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں:

> مرزا غالب کی رائے برہانِ قاطع کی نسبت اکثر غلط ہے اور اس کی تائید فرہنگِ ناصری سے نہیں ہوتی۔ فرہنگِ ناصری کا مؤلف ایرانی ہے۔ اس کی رائے برہانِ قاطع اور قاطعِ برہان دونوں سے زیادہ مستند ہو سکتی ہے۔[۱۷۳]

یہ ایک طرح سے حالی کے اعتراض کا جواب بھی ہے۔ لیکن حالی یادگارِ غالب میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ غالب کی مخالفت کی اصل وجہ یہ تھی کہ عام لوگ کورانہ تقلید کرتے ہیں اور غالب نے عام روش سے ہٹ کر برہان پر تنقید کی چناں چہ لوگ ان کے پیچھے پڑ گئے، البتہ حالی نے غالب کی اغلاط اور ان کے ناشائستہ انداز کو نظر انداز کر دیا۔ آغا احمد علی مؤلفِ مؤیدِ برہان کے معاملے میں بھی حالی کا رویہ یہ ہے کہ وہ اس عالم فاضل اور محقق شخص کا ذکر "ایک شخص مرزا احمد علی" کہہ کر کرتے ہیں اور اس بات پر معترض ہیں کہ قاطعِ برہان کے چند اوراق کی تحقیق کے لیے احمد علی نے ایشیاٹک سوسائٹی کا کتب خانہ چھان مارا[۱۷۴]۔ گویا جو تحقیقی کام قابلِ تعریف تھا اس پر حالی کو اعتراض ہے اور غالب نے جو بغیر تحقیق کے قاطعِ برہان لکھ دی حالی اس کے معترف ہیں۔ احمد علی ممتاز اور مستند عالم تھے۔ لیکن حالی نے علمی اور تحقیقی طریقِ کار سے بے اعتنائی برتتے ہوئے ان کی شخصیت کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی ہے[۱۷۵]۔ حالی نے لکھا ہے کہ غالب نے قاطع القاطع کا کوئی جواب نہیں دیا کیوں کہ اس میں فحش اور ناشائستہ الفاظ کثرت سے تھے۔ پھر لکھتے ہیں کہ کسی نے غالب سے کہا کہ آپ نے اس کا جواب نہیں دیا، تو غالب نے کہا کہ کوئی گدھا تمھارے لات مارے تو کیا تم بھی اس کے لات مارو گے[۱۷۶]؟ کاش حالی یہ بھی لکھ دیتے کہ لات مارنے کی ابتدا غالب نے کی تھی کیوں کہ فحش گوئی اور ناشائستگی کا آغاز غالب کی قاطعِ برہان سے ہوا تھا۔ در حقیقت اس جملے کی چوٹ خود غالب پر بھی پڑتی ہے۔ پھر جب غالب نے قاطع القاطع کے مؤلف کے خلاف ازالۂ حیثیتِ عرفی کا مقدمہ قائم کیا تو گویا یہ جواب ہی تو تھا اور غالب کے اپنے الفاظ میں گدھے کو لات مارنے کے مترادف تھا۔

حالی کے بعد غالب کے ایک بڑے مداح غلام رسول مہر ہیں، انھوں نے بھی برہانِ قاطع کے معاملے میں بالعموم غالب کے خطوط سے وہ اقتباسات دیے ہیں جن میں غالب نے برہان کے سلسلے میں اپنا دفاع کیا ہے اور مخالفین کا مضحکہ اڑایا ہے[۱۷۷]۔ اس قضیے میں غالب کی اغلاط، نامناسب طرزِ نگارش اور تعصب کی طرف سے مہر نے آنکھیں بند کر لی ہیں۔

اپنی کتاب غالب میں مہر نے لکھا ہے کہ مویّدِ برہان کے جواب میں غالب کا اکتیس اشعار کا قطعہ ایسی دس کتابوں پر بھاری ہے۔ حالاں کہ مُؤیّد ایک عالمانہ کتاب تھی اور غالب کا قطعہ تضحیک اور تعصب سے پُر ہے۔ مہر نے یہ بھی لکھا ہے کہ غالب کی مخالفت کی وجہ ان کا تقلیدی روش اور جمود سے ہٹ کر خیالات کا اظہار ہے لیکن یہ بات شاید جزوی طور پر ہی درست ہے۔

مالک رام نے بھی اس معاملے کا جائزہ لیتے ہوئے صرف ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جو غالب کی حمایت اور مخالفت میں لکھی گئیں اور غالب کے اعتراضات کی درستی اور صحت یا عدم صحت کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی[۱۷۸]۔ شوکت سبزواری نے غالب کی لغت نویسی پر لکھے گئے اپنے دو مضامین میں غالب کی لغت نویسی اور قاطعِ برہان کے بیش تر مثبت پہلو ہی اجاگر کیے ہیں[۱۷۹]۔ سبزواری خود لغت نویس تھے اور لغت نویسی کے مباحث سے بخوبی واقف تھے لیکن غالب کا دفاع کرتے ہوئے وہ قاضی عبدالودود سے خاصے ناراض نظر آتے ہیں (شاید اس لیے کہ قاضی صاحب نے قاطعِ برہان کے ضمن میں غالب پر بہت سخت تنقید کی ہے)۔ سبزواری صاحب نے قاضی صاحب کا رد لکھتے ہوئے اور غالب کا دفاع کرتے ہوئے دساتیر کو سچی کتاب قرار دیا اور اس کے استناد پر بھی صاد کیا۔ جب کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ دساتیر کے بارے میں یہ بات بہت پہلے ثابت ہو چکی تھی کہ یہ ایک جعلی کتاب ہے۔ غالب کا دفاع کرتے ہوئے شوکت سبزواری صاحب دساتیر، زند اور پازند کی بحث کرتے ہیں لیکن ان کی یہ راے تنقیدی سے زیادہ مداحانہ معلوم ہوتی ہے۔ البتہ ڈاکٹر محمد باقر نے غالب کے اعتراضات کا دوسرا رخ دکھانے کی ہلکی سی سعی کی لیکن تفصیل میں نہ جا سکے[۱۸۰]۔

شیخ محمد اکرام نے اس معاملے کا معروضی تجزیہ کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے کہا کہ اصولِ لغت جو غالب نے بیان کیے ہیں وہ بیشتر صحیح ہیں[۱۸۱]۔ لیکن ان کی یہ بات اس حد تک تسلیم کی جا سکتی ہے کہ غالب نے لغت نویسی سے متعلق عمومی باتیں، جو نہ تفصیلی ہیں اور نہ عمیق، بیان کی ہیں۔ اکرام نے غالب کی اغلاط اور درشت لہجے کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ غالب نے بحث پست سطح پر کی[۱۸۲]۔ اکرام نے کہیں کہیں غالب کی ہلکی سی حمایت بھی کی ہے، مثلاً یہ کہ غالب عام تقلیدی روش سے ہٹ کر برہانِ قاطع جیسی معروف و مقبول لغت پر تنقید کرتے ہیں جس سے غالب کی آزاد قوتِ فیصلہ ظاہر ہوتی ہے[۱۸۳]۔ اکرام نے ایک اور معاملے میں بھی غالب کی حمایت کی ہے اور وہ بجا معلوم ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ احمد علی نے بہت محنت سے کتاب لکھی لیکن غالب کا بنیادی اعتراض یہ تھا کہ فارسی لغات چوں کہ ہندوستان میں لکھی گئیں اور انھیں اہلِ زبان نے نہیں لکھا بلکہ وہ نقل در نقل ہوتی چلی

آ رہی ہیں اس لیے وہ مستند نہیں ہیں۔ اس اعتراض کا جواب احمد علی نے نہیں دیا[۱۸۴]۔

یہ تو ہم دیکھ چکے کہ غالب کے تمسخرانہ انداز، فحش نگاری اور متعصبانہ ذہنیت کی کھل کر مذمت کسی نے بھی نہیں کی سوائے قاضی عبدالودود اور اکبر حیدری کشمیری کے۔ اکبر حیدری کشمیری نے برہانِ قاطع اور قاطعِ برہان کا معروضی انداز میں تجزیہ کیا ہے اور غالب کی اغلاط، خود پسندی اور غالب کی اس سوچ پر تنقید کی ہے کہ وہ صرف خود کو فارسی دان و ماہرِ لغت سمجھتے ہیں۔

غالب کے مداحوں نے انھیں فارسی اور لغت نویسی کے ساتھ عربی کا ماہر بھی قرار دے دیا، مثلاً مرزا محمد منور نے اپنے ایک مقالے میں غالب کی عربی دانی کی داد دی ہے[۱۸۵] لیکن یہ محض ان کی غالب سے خوش اعتقادی ہے ورنہ قاضی عبدالودود نے غالب پر سخت تنقید کرتے ہوئے انھیں عربی کے عام قاعدوں سے بھی نابلد قرار دیا ہے ور اس کی مثالیں بھی دی ہیں[۱۸۶]۔ قدرت نقوی نے غالب کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے لکھا کہ برہان ''اغلاط سے پُر'' ہے[۱۸۷]۔ لیکن یہ زیادتی ہے، برہانِ قاطع میں اغلاط ہیں لیکن اسے ''اغلاط سے پُر'' کہنا درست نہ ہوگا جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں۔ محمد عامر یعقوب نے قاطعِ برہان کے معرکے میں غالب کی اغلاط اور کمزوریوں کی نشان دہی کی ہے لیکن حتمی تجزیے میں وہ بھی غالب کی حمایت کرتے نظر آتے ہیں اور بقول ان کے غالب کے طعن و تشنیع سے قطع نظر اس معرکے کے ادب میں ''طنز و ظرافت کے بھی بڑے خوب صورت نمونے'' نظر آتے ہیں اور غالب کے ہاں ''بذلہ سنجی، خوش مذاقی، اور مضحک خیز مناظر کا پہلو زیادہ نمایاں ہے''[۱۸۸]۔ فحش نگاری اور تضحیک و تذلیل کو بذلہ سنجی اور خوش مذاقی قرار دینا ایک سوالیہ نشان چھوڑ جاتا ہے۔

پروفیسر نذیر احمد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے اردو میں سب سے پہلے فارسی لغات میں ہزوارش کے الفاظ کے شمول، دساتیری الفاظ کی بحث اور فارسی لغات میں تصحیفات کا تفصیلی اور علمی جائزہ پیش کیا۔ انھوں نے برہانِ قاطع کے مؤلف کو بھی ناکام لغت نویس قرار دیا اور غالب کی اغلاط بھی دلائل و شواہد سے واضح کرتے ہوئے لغت نویسی کے معاملے میں غالب کے خلاف فیصلہ دیا (اگرچہ وہ غالب کی تخلیقی عظمت کے دل سے قائل نظر آتے ہیں)۔ لیکن وہ بھی غالب کی فحش نگاری کو سراہنے کا کوئی پہلو نکال ہی لیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> انھوں [غالب] نے برہانِ قاطع کے مؤلف کو جو ان سے دو صدی پیشتر گزرا ہے بعض مواقع پر سخت گالیاں دی ہیں، لیکن ان کی فحش گوئی بھی ان کی طباعی و ذہانت کی دلیل ہے، اور کبھی کبھی وہ ایسی لطافت پیدا کر دیتے ہیں کہ قاری تھوڑی دیر کے لیے اصل موضوع بھول جاتا ہے اور ان کی جدت طرازی سے لطف اندوز ہونے لگتا ہے۔[۱۸۹]

سوال یہ ہے کہ کسی کو فحش گالیاں دینا اس لیے روا ہے کہ اس میں جدت طرازی ہے؟ البتہ نذیر احمد غالب کی لغت نویسی کے بارے

میں دوٹوک فیصلہ اس طرح دیتے ہیں:

> اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب نہایت ذہین اور طباع انسان تھے، ان کی غیر معمولی ذہانت ان کی اکثر تحریروں سے بخوبی نمایاں ہے۔ قاطعِ برہان بھی ان کی اس صلاحیت کی مظہر ہے لیکن فرہنگ نویسی یہ معاملہ ذہانت کے ساتھ فرہنگوں اور ادبی متون کے بے پناہ مطالعے کا متقاضی ہے۔۔۔ اگرچہ قاطع برہان میں مطالعے کی کمی کا نقص قدم قدم پر موجود ہے مگر اس کے باوجود یہ کتاب غالب کی طباعی اور ان کی بے پناہ قوتِ تخلیق پر دلالت کرتی ہے۔ مزید برآں غالب کی سیرت کے مطالعے میں اس کتاب سے بڑی مدد ملے گی۔[190]

اس دور میں جب بطل پرستی لگ بھگ بت پرستی بن چکی ہے غالب جیسے کسی بطلِ جلیل کے خلاف ایک لفظ بھی کچھ کہنا گویابت شکنی کے مترادف ہے اور جو لوگ غالب اور غالب کی لغت نویسی کی بے جا حمایت کرتے ہیں ممکن ہے انھیں یہ تحریر ناگوار گزری ہو۔ لیکن ہمارا مقصد قطعاً غالب کی توہین یا ان کی مخالفت نہیں ہے، نہ ہمیں غالب شکنی کا شوق ہے۔ ہماری رائے ہے کہ غالب ہمارے ادب کی ایک عظیم اور نادرِ روزگار ہستی ہیں۔

البتہ غالب لغت نویسی یا علمِ لغت کے ماہر نہیں تھے۔ برہان پر غالب کے اعتراضات اکثر غلط ہیں اور شاید حسد و رشک کا نتیجہ ہیں۔ دراصل غالب کے کچھ نفسیاتی مسائل تھے جو قتیل اور اس کے حامیوں سے معرکہ ٔ کلکتہ کے نتیجے میں پیدا ہوئے تھے اور وہ برعظیم پاک و ہند کے تمام فارسی لغت نویسوں اور فارسی دانوں (ماسوائے چندکے) کے شدید مخالف ہو گئے تھے۔ غالب بے شک اردو اور فارسی کے عظیم شاعر و نثر نگار ہیں لیکن لغت نویسی ان کا میدان نہیں تھا اور اس امر کا اعتراف کر لینے سے غالب کی عظمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہو گی کیوں کہ ہم انھیں بطور لغت نویس نہیں بلکہ بطور شاعر اور نثر نگار ہی دیکھتے اور سراہتے ہیں اور سراہتے رہیں گے۔

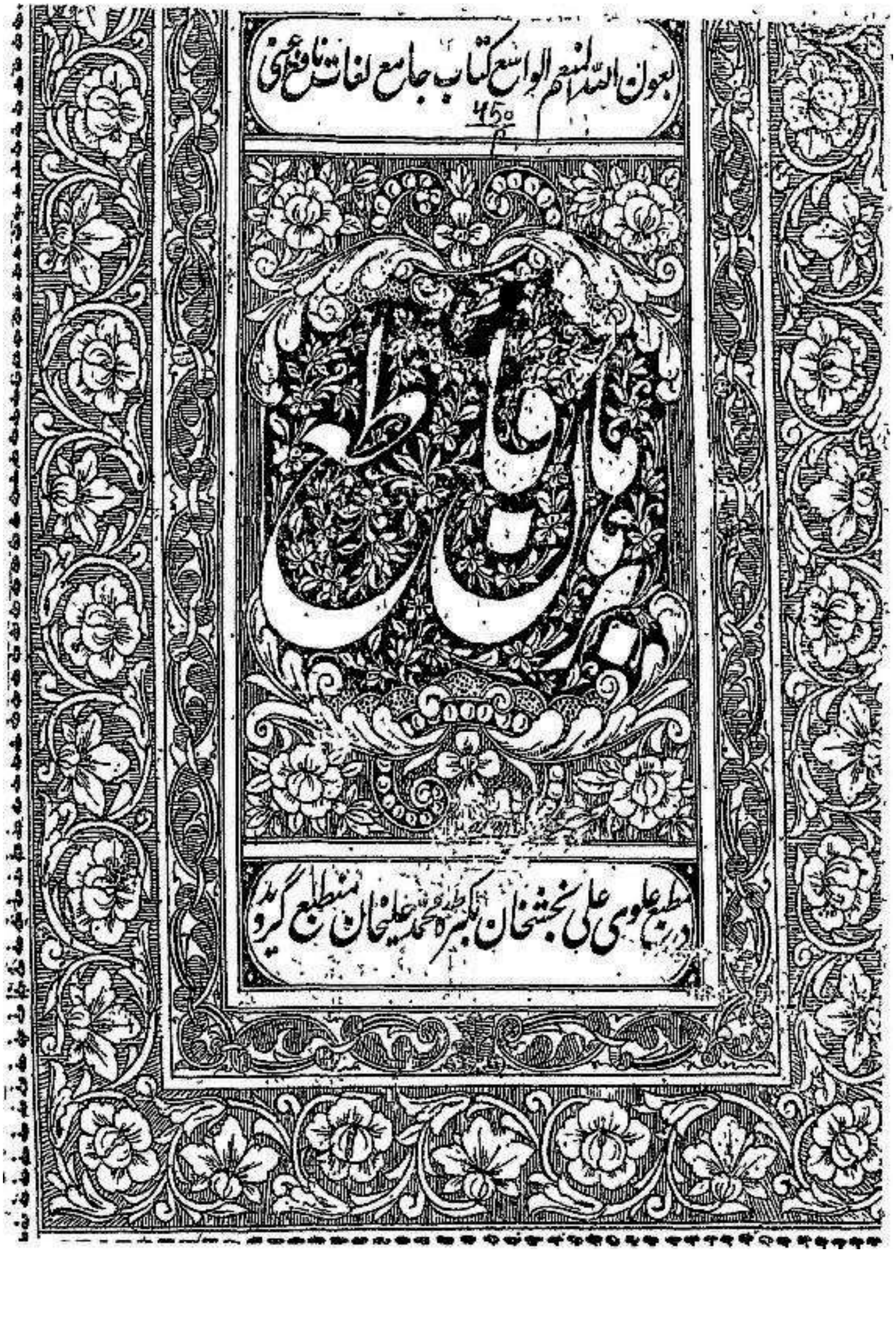
بعون الله المنعم الواسع کتاب جامع لغات
در مطبع علوی علی بخش خان بکُبرہ محمد علی خان منطبع گردید

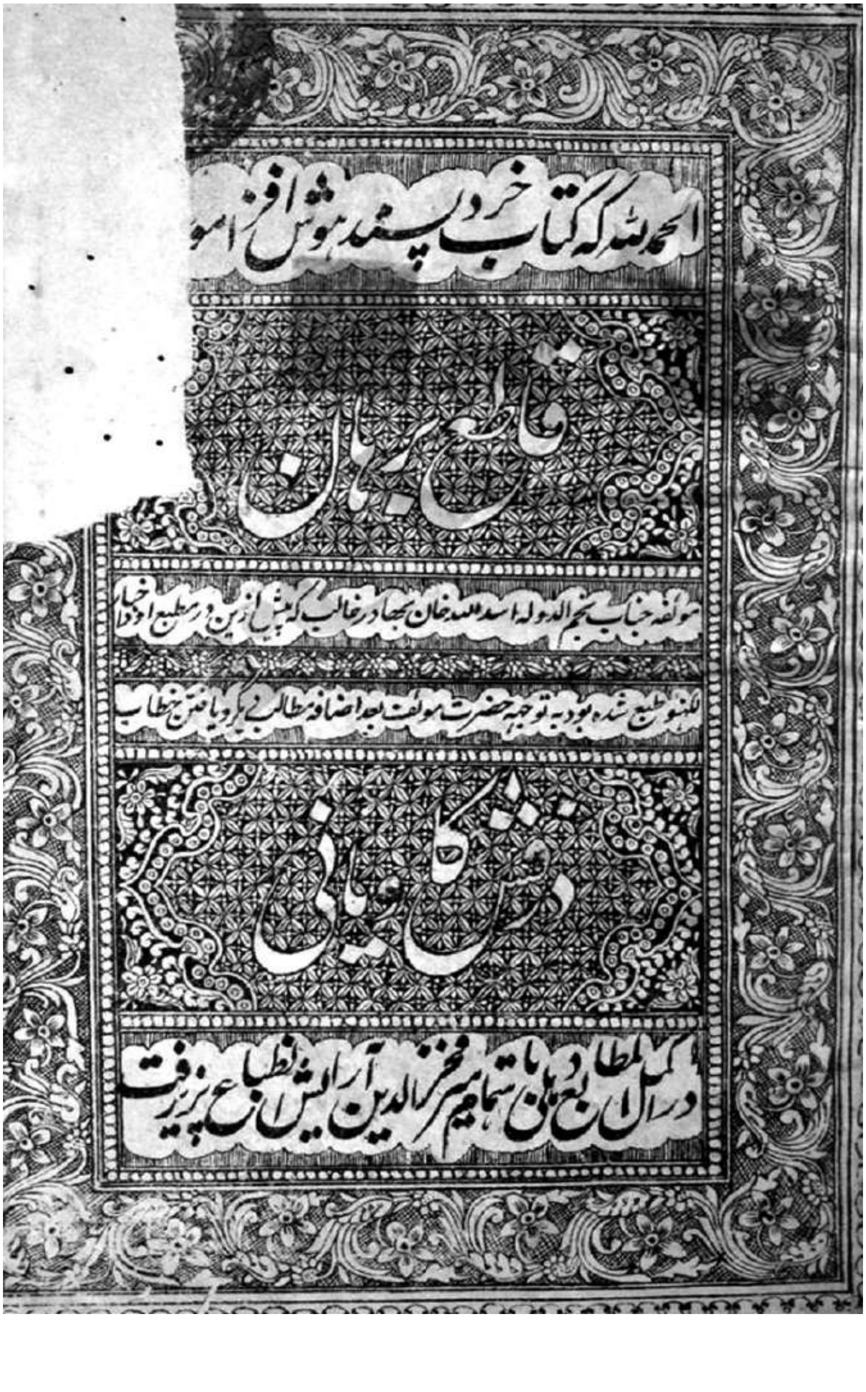
الحمدلله که کتاب خرد پسند هوش افز[ا] اسمو

قاطع برهان

مولفه جناب نجم الدوله اسدالله خان بهادر غالب که پیش ازین در مطبع اوده اخبار

لکھنو طبع شده بود به توجه حضرت مولف بعد اضافه مطالب دیگر یا حسن خطاب

درفش کاویانی

در اکمل المطابع دهلی باهتمام میر فخرالدین آرایش انطباع پذیرفت

حواشی و حوالہ جات

* (پ:۱۹۵۸ء) پروفیسر (ر) شعبۂ اردو، یونیورسٹی آف کراچی، کراچی۔ drraufparekh@yahoo.com

۱۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب، باغِ دو در: مجموعۂ نظم و نثر فارسی، مرتب: سید وزیر الحسن عابدی (مطبوعہ: پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۶۸ء)، ۲۳۲۔
(کتاب کی لوح پر سالِ اشاعت ۱۹۶۸ء اور سرورق پر ۱۹۷۰ء درج ہے۔)

۲۔ *A Literary History of Persia*، جلد اول و دوم یک جا (دہلی: گڈ ورڈ بکس، ۲۰۰۲ء)، ۵۳۔
نیز نذیر احمد نے بھی دساتیر کو مصنوعی زبان میں لکھی گئی ایک جعلی اور فرضی کتاب کہا ہے، دیکھیے:
نذیر احمد، غالب پر چند مقالے (دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۱ء)، ۱۰۴۔

۳۔ الطاف حسین حالی، یادگارِ غالب (کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۱۹۹۷ء (عکسی طباعت، ایڈیشن ۱۸۹۷ء))، ۴۴۔

۴۔ اختر حسن، قطب شاہی دور کا فارسی ادب (حیدرآباد: ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۷۳ء)، ۱۴۳-۱۴۷۔

۵۔ اکبر حیدری کشمیری، برہانِ قاطع، مشمولہ: کتاب شناسی، مرتب: اختر راہی و عارف نوشاہی، شمارہ ۱ (اسلام آباد، ۱۹۸۶ء)، ۷۰-۷۱۔

۶۔ اکبر حیدری کشمیری، برہانِ قاطع، مشمولہ: کتاب شناسی، مرتب: اختر راہی و عارف نوشاہی، ۷۲-۷۶، نیز
محمد باقر، "پیش لفظ" درفشِ کاویانی از مرزا اسد اللہ خاں غالب (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء)، ۱۳۔

۷۔ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق (پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۵ء)، ۲۲۔

۸۔ اکبر حیدری کشمیری، برہانِ قاطع، مشمولہ: کتاب شناسی، مرتب: اختر راہی و عارف نوشاہی، ۹۴۔

۹۔ ایضاً، ۷۶۔

۱۰۔ آقای محمد علی، "فارسی لغت نویسی کی تاریخ"، مترجم: سید سعید احمد، مشمولہ سہ ماہی اردو، شمارہ ۳، جلد ۵۱ (کراچی: جولائی تا ستمبر ۱۹۷۵ء)، ۲۰۶-۲۰۹۔

۱۱۔ آقای محمد علی، "فارسی لغت نویسی کی تاریخ"، مترجم: سید سعید احمد، مشمولہ سہ ماہی اردو، ۲۰۷۔
یہاں کاتب نے ۱۰۸۹ ہجری لکھا ہے۔ اس کے بعد مصنف کے الفاظ ہیں "یعنی تالیف کے ۳۶ برس بعد"، لیکن سالِ تالیف یعنی ۱۰۶۲ میں ۳۶ جمع کیے جائیں تو ۱۰۹۸ ہجری کا سال بنتا ہے۔ ۱۰۸۹ کتابت کی غلطی ہے اور اسے ۱۰۹۸ ہونا چاہیے۔

۱۲۔ آقای محمد علی، "فارسی لغت نویسی کی تاریخ"، مترجم: سید سعید احمد، مشمولہ سہ ماہی اردو، ۲۰۸۔

۱۳۔ ایضاً، ۲۰۷۔

۱۴۔ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق، ۲۲ نیز
اکبر حیدری کشمیری، برہانِ قاطع، مشمولہ: کتاب شناسی، مرتب: اختر راہی و عارف نوشاہی، ۷۷۔

۱۵۔ اکبر حیدری کشمیری، برہانِ قاطع، مشمولہ: کتاب شناسی، مرتب: اختر راہی و عارف نوشاہی، ۸۰۔

۱۶۔ بحوالہ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق، محولۂ بالا، ص ۲۳۔۲۲

۱۷۔ اکبر حیدری کشمیری، برہانِ قاطع، مشمولہ: کتاب شناسی، مرتب: اختر راہی و عارف نوشاہی، ۸۷۔

۱۸۔ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق، ۲۲-۲۵۔
اکبر حیدری کشمیری نے برہانِ قاطع کے جن معلومہ قلمی نسخوں کی فہرست دی ہے اس میں چوبیس (۲۴) نسخے ایسے ہیں جو ایران میں دریافت ہوئے ہیں جبکہ پاک و ہند میں مجموعی طور پر چودہ (۱۴) نسخے ملے ہیں (دیکھیے ان کا مقالہ برہانِ قاطع مشمولہ کتاب شناسی، محولۂ بالا، ص

۸۲)۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایران میں برہان کی مقبولت برعظیم پاک وہند سے کہیں زیادہ تھی۔

۱۹۔ شیخ محمد اکرام، حیاتِ غالب (دہلی: جہانگیر بک ڈپو، س ن)، ۲۱۷۔

۲۰۔ نذیر احمد، نقدِ قاطعِ برہان: مع ضمائم، (دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۸۵ء)، ۲۲۵۔ نیز
نذیر احمد، غالب پر چند مقالے، ۱۰۱۔

۲۱۔ آقای محمد علی، "فارسی لغت نویسی کی تاریخ"، مترجم: سید سعید احمد، مشمولہ سہ ماہی اردو، ۲۰۸۔

۲۲۔ غالب بحیثیتِ محقق، محولہ بالا، ص ۲۲۔

۲۳۔ محمد باقر، "پیش لفظ" درفشِ کاویانی از مرزا اسد اللہ خاں غالب، ۴-۵۔

۲۴۔ اکبر حیدری کشمیری، برہانِ قاطع، مشمولہ: کتاب شناسی، مرتب: اختر راہی و عارف نوشاہی، ۷۷-۷۸۔

۲۵۔ نذیر احمد، نقدِ قاطعِ برہان: مع ضمائم، ۲۴۶-۲۵۵۔ نیز
نذیر احمد، غالب پر چند مقالے، ۱۰۲-۱۰۷۔

۲۶۔ کسی لفظ کو اصل کے بجائے غلط طور پر کچھ اور لکھنا یا پڑھ لینا تصحیف کہلاتا ہے، خاص طور پر نقطوں کی کمی بیشی یا نقطوں کا مقام تبدیل ہونے سے یہ اردو اور فارسی میں اکثر ہو جاتا ہے، مثلاً لفظ حرف کو خزف لکھنا یا پڑھنا، سنجری کو سجزی لکھنا یا پڑھنا۔ کاتب ایسی غلطیاں بہت کرتے ہیں اور قلمی نسخوں میں تصحیفات بکثرت پائی جاتی ہیں۔

۲۷۔ آقای محمد علی، "فارسی لغت نویسی کی تاریخ"، مترجم: سید سعید احمد، مشمولہ سہ ماہی اردو، ۲۰۸۔

۲۸۔ الطاف حسین حالی، یادگارِ غالب، ۳۷۔

۲۹۔ غلام رسول مہر، غالب (لاہور: شیخ مبارک علی، سنہ ندارد، طبع چہارم)، ۴۲۴۔

۳۰۔ الطاف حسین حالی، یادگارِ غالب، ۴۲۔

۳۱۔ الطاف حسین حالی، یادگارِ غالب، ۴۲۔ نیز
غلام رسول مہر، غالب، ۴۲۳-۴۲۴۔
غالب نے درفشِ کاویانی کے "دیباچۂ ثانی جدید" میں اس امر کی نشان دہی کی ہے۔
قاطعِ برہان ملقب بہ درفشِ کاویانی و رسائلِ متعلقہ، مرتب: قاضی عبد الودود (پٹنہ: ادارۂ تحقیقاتِ اردو، ۱۹۶۷ء)، ۷۔

۳۲۔ قاطعِ برہان ملقب بہ درفشِ کاویانی و رسائلِ متعلقہ، مرتب: قاضی عبد الودود، ۳-۴۔

۳۳۔ الطاف حسین حالی، یادگارِ غالب، ۴۲۔

۳۴۔ غلام رسول مہر، غالب، ۴۲۵۔

۳۵۔ سید معین الرحمٰن، اشاریۂ غالب (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء)، ۶۲۔

۳۶۔ قاضی عبد الودود، مآثرِ غالب: غالب کی کم یاب نظم و نثر کا مجموعہ، تصحیح و ترتیبِ جدید: حنیف نقوی، (کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۲۰۰۰ء)، ۴۰-۴۱۔ نیز دیکھیے اسی کتاب میں حواشی، ص ۹۷۔

۳۷۔ دیکھیے: اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد ۹ (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۸۸ء)؛ نیز
ایف اسٹین گاس [F. Steingass] مرتب، *A Comprehensive Persian-English Dictionary* (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۰ء)، عکسی طباعت، اشاعتِ اول ۱۸۹۲ء

فرہنگِ جامع: فارسی بہ انگلیسی و اردو، مرتب، شہریار نقوی، (اسلام آباد: رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران، ۱۳۸۲ف) (چاپ دوم)؛
فرہنگِ ادبیاتِ فارسی دری، مرتبہ زہرائی خانلری، (مقام ندارد: انتشاراتِ بنیادِ فرہنگِ ایران، ۱۳۴۸ف)۔

۳۸۔ یہ اکمل المطابع (دہلی) کے ایڈیشن (مطبوعہ ۱۸۶۵ء) کا ذکر ہے جو راقم کی نظر سے گزرا ہے، اس کی لوح پر برہانِ قاطع اور درفشِ کاویانی دونوں نام درج ہیں۔

۳۹۔ قاطعِ برہان ملقب بہ درفشِ کاویانی و رسائلِ متعلقہ، مرتب: قاضی عبدالودود، ۸۔

۴۰۔ برہانِ قاطع / درفشِ کاویانی (دہلی: اکمل المطابع، ۱۸۶۵ء)، ۱۵۳۔ نیز
محمد باقر، مرتب، درفشِ کاویانی (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء)، ۲۷۲۔

۴۱۔ غلام رسول مہر، غالب، ۴۲۸-۴۳۶۔

۴۲۔ غلام رسول مہر، غالب، ۴۲۹۔

۴۳۔ غلام رسول مہر، غالب، ۴۳۳۔

۴۴۔ مرتب، محمد باقر، "پیش لفظ"، مشمولہ درفشِ کاویانی (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء)، ۵۔

۴۵۔ حنیف نقوی، "حواشی بر حواشیِ قاضی عبدالودود"، مشمولہ مآثرِ غالب (مصنفہ قاضی عبدالودود، بترتیبِ جدید حنیف نقوی)، ۱۵۹۔

۴۶۔ رشید حسن خان، غالب: فکر و فن (کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۱ء)، ص ۲۳۸۔

۴۷۔ قاضی عبدالودود، مآثرِ غالب: غالب کی کم یاب نظم و نثر کا مجموعہ، تصحیح و ترتیبِ جدید: حنیف نقوی، ۶۷۔ نیز
حنیف نقوی، "حواشی بر حواشیِ قاضی عبدالودود"، مشمولہ مآثرِ غالب، ۱۵۵۔

۴۸۔ حنیف نقوی، "حواشی بر حواشیِ قاضی عبدالودود"، مشمولہ مآثرِ غالب، ۱۵۵۔

۴۹۔ غلام رسول مہر، غالب، ۴۴۱۔

۵۰۔ قاضی عبدالودود، مآثرِ غالب: غالب کی کم یاب نظم و نثر کا مجموعہ، ۷۷۔

۵۱۔ مالک رام، ذکرِ غالب، (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۵۰ء)، ۱۷۷۔ نیز
غلام رسول مہر، غالب، ۴۳۵۔

۵۲۔ امداد صابری، تاریخِ صحافتِ اردو، جلد دوم (کلکتہ: حسن زمان، سنہ ندارد)، ص ۲۴۶۔

۵۳۔ حنیف نقوی، "حواشی بر حواشیِ قاضی عبدالودود"، مشمولہ مآثرِ غالب، ۱۵۶-۱۵۷۔
مالک رام، ذکرِ غالب، (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۵۰ء)، ۱۷۷۔

۵۴۔ قاضی عبدالودود، مآثرِ غالب: غالب کی کم یاب نظم و نثر کا مجموعہ، ۷۹۔

۵۵۔ مالک رام، ذکرِ غالب، ۱۷۹۔ نیز
محمد باقر، مرتب، "پیش لفظ"، مشمولہ درفشِ کاویانی، ۶۔

۵۶۔ قطعات، رباعیات، ترکیب بند، ترجیع بند، مخمس، مرتبہ غلام رسول مہر، (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء)، ۱۱۵۔
نیز غالب کا یہ قطعہ اور جوابی قطعے، بشمول قطعہ فدا سلہٹی، ہنگامۂ دل آشوب، مرتبہ سید قدرت نقوی، (کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۹ء) میں بھی شامل ہے۔ دیکھیے، غالب کا قطعہ صفحہ ۴۸-۵۲۔

۵۷۔ سید قدرت نقوی، "مقدمہ"، ہنگامۂ دل آشوب، (کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۹ء)، ۲۳۔

۵۸۔ مالک رام، ذکرِ غالب، ۱۷۹۔ نیز
غلام رسول مہر، غالب، ۴۴۴۔
۵۹۔ مالک رام، ذکرِ غالب، ۱۸۱۔
۶۰۔ مالک رام، ذکرِ غالب، ۱۸۱۔
۶۱۔ قاضی عبدالودود "حواشی"، مآثرِ غالب: غالب کی کم یاب نظم و نثر کا مجموعہ، ۷۷؛ نیز
حنیف نقوی، "حواشی بر حواشیِ قاضی عبدالودود"، مشمولہ مآثرِ غالب، ۱۵۸۔
۶۲۔ مالک رام، ذکرِ غالب، ۱۸۱۔
۶۳۔ مالک رام، ذکرِ غالب، ۱۷۷۔ نیز
نامۂ غالب بعد ازاں مجموعۂ نثرِ غالب اردو، مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی، (لاہور: مجلس ترقیِ ادب، ۱۹۶۷ء)، ۱۵۱-۱۷۳۔
۶۴۔ مالک رام، ذکرِ غالب، ۱۷۷۔ نیز
غلام رسول مہر، غالب، ۴۳۴-۴۳۵۔
نامۂ غالب بعد ازاں مجموعۂ نثرِ غالب اردو، مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی، ۱۴۷-۱۴۸۔
۶۵۔ شوکت سبزواری، "غالب محقق کی حیثیت سے" مشمولہ، غالب فکر و فن، ۲۴۱۔
۶۶۔ مالک رام، ذکرِ غالب، ۱۷۶۔ (حاشیہ)۔
قاضی عبدالودود نے بھی دافعِ ہذیان کا سال ۱۲۸۱ ہجری لکھا ہے،
دیکھیے: قاضی عبدالودود، مآثرِ غالب: غالب کی کم یاب نظم و نثر کا مجموعہ، تصحیح و ترتیبِ جدید: حنیف نقوی، ۹۹۔
۶۷۔ حنیف نقوی، "حواشی بر حواشیِ قاضی عبدالودود"، مشمولہ مآثرِ غالب، ۱۵۹۔
۶۸۔ غلام رسول مہر، غالب، ۴۳۰۔
۶۹۔ مالک رام، ذکرِ غالب، ۱۷۶
حاشیہ۔ مالک رام نے سالِ اشاعت کے ساتھ "غالباً" لکھا ہے۔ سوالاتِ عبدالکریم اس مجموعے میں شامل ہے جو قاضی عبدالودود نے قاطعِ برہان ملقب بہ درفشِ کاویانی و رسائلِ متعلقہ کے نام سے مرتب کیا (محولۂ بالا)، نیز خلیل الرحمٰن داؤدی کے مرتبہ مجموعۂ نثرِ غالب اردو میں بھی شامل ہے (محولۂ بالا) اور یہ اس مجموعے میں بھی شامل ہے جو سید وزیر الحسن عابدی نے افاداتِ غالب کے نام سے مرتب کیا، (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء)
۷۰۔ نامۂ غالب بعد ازاں مجموعۂ نثرِ غالب اردو، مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی، ۱۲۸۔
۷۱۔ نامۂ غالب بعد ازاں مجموعۂ نثرِ غالب اردو، مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی، ۱۲۸۔
۷۲۔ قاضی عبدالودود، مآثرِ غالب: غالب کی کم یاب نظم و نثر کا مجموعہ، تصحیح و ترتیبِ جدید: حنیف نقوی، ۸۰۔
۷۳۔ سید معین الرحمٰن، اشاریۂ غالب، ۶۸۔
۷۴۔ نامۂ غالب بعد ازاں مجموعۂ نثرِ غالب اردو، مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی، ۵۸۔
"لطائفِ غیبی"، مشمولہ افاداتِ غالب، مرتبہ سید وزیر الحسن عابدی، اور
نامۂ غالب بعد ازاں مجموعۂ نثرِ غالب اردو، مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی میں بھی شامل ہے۔
۷۵۔ حنیف نقوی، "حواشی بر حواشیِ قاضی عبدالودود"، مشمولہ مآثرِ غالب، ۱۵۱-۱۵۲۔

۷۶۔ مالک رام، ذکرِ غالب، ۱۷۸ (حاشیہ)۔
یہ قطعہ اور غالب کی بعض دیگر شعری تخلیقات اس کتاب میں شامل ہیں جو غلام رسول مہر نے قطعات، رباعیات، ترکیب بند، ترجیع بند، مخمس کے نام سے مرتب کی تھی (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء)۔

۷۷۔ سید معین الرحمٰن، اشاریۂ غالب، ۷۳۔

۷۸۔ قاضی عبدالودود، مآثرِ غالب: غالب کی کم یاب نظم و نثر کا مجموعہ، تصحیح و ترتیبِ جدید: حنیف نقوی، ۷۶۔

۷۹۔ مالک رام، ذکرِ غالب، ۱۷۸۔

۸۰۔ سید قدرت نقوی، "مقدمہ"، ہنگامۂ دل آشوب، ۲۲-۲۳۔

۸۱۔ سید قدرت نقوی، "مقدمہ"، ہنگامۂ دل آشوب، ۲۲-۲۳۔

۸۲۔ سید قدرت نقوی، "مقدمہ"، ہنگامۂ دل آشوب، ۱۱، ۲۲-۲۳، ۳۵۔

۸۳۔ قاطعِ برہان ملقب بہ درفشِ کاویانی و رسائلِ متعلقہ، مرتب: قاضی عبدالودود، ۳۔

۸۴۔ امتیاز عرشی، "غالب اور برہان"، مشمولہ آئینۂ غالب (دہلی: پبلی کیشنز ڈویژن، ۱۹۶۴ء)، ۲۱۴۔

۸۵۔ خطوطِ غالب، جلد دوم، مرتبہ، غلام رسول مہر، (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء)، ص ۵۴۸۔

۸۶۔ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق (پٹنہ: خدا بخش اورینٹل لائبریری، ۱۹۹۵ء)، ص ۲۲۲۔ا

۸۷۔ نذیر احمد، نقدِ قاطعِ برہان: مع ضمائم۔

۸۸۔ پروفیسر نذیر احمد، "غالب فرہنگ نگار کی حیثیت سے" مشمولہ، غالب پر چند مقالے، (دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۱ء)، ص ۱۲۱۔۹۸

۸۹۔ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق، ۳۵۔

۹۰۔ اکبر حیدری کشمیری، برہانِ قاطع، مشمولہ: کتاب شناسی، مرتب: اختر راہی و عارف نوشاہی، ۸۶-۹۵۔

۹۱۔ قاطع القاطع، مشمولہ صحیفہ، غالب نمبر، حصہ اول، (، لاہور: جنوری ۱۹۶۹ء)، ۲۵۳۔

۹۲۔ امتیاز عرشی، "غالب اور برہان"، مشمولہ آئینۂ غالب، ۱۹۳-۱۹۴۔

۹۳۔ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق، ۲۴۔

۹۴۔ امتیاز عرشی، "غالب اور برہان"، مشمولہ آئینۂ غالب، ۲۱۳۔

۹۵۔ شیخ محمد اکرام، حیاتِ غالب، ۲۰۳-۲۰۸۔

۹۶۔ قاضی عبدالودود، مآثرِ غالب: غالب کی کم یاب نظم و نثر کا مجموعہ، تصحیح و ترتیبِ جدید: حنیف نقوی، ۷۷۔

۹۷۔ غلام رسول مہر، غالب، ۴۳۶-۴۳۹۔
مالک رام، ذکرِ غالب، ۱۸۱-۱۸۳۔
مولوی عبدالحق نے مقدمے کے کاغذات پر مشتمل پوری فائل اپنے مقالے میں شامل کی ہے،
دیکھیے: "روئدادِ مقدمۂ مرزا غالب"، مشمولہ احوالِ غالب، مرتبہ مختار الدین احمد، (دہلی: مکتبۂ جامعہ، ۱۹۵۳ء)، ۱۳۹-۱۷۱۔
الطاف حسین حالی، یادگارِ غالب ۵۱-۵۲۔

۹۸۔ "روئدادِ مقدمۂ مرزا غالب"، مشمولہ احوالِ غالب، مرتبہ مختار الدین احمد، ۱۴۲۔

۹۹۔ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق، ۳۶۔

۱۰۰۔ غلام رسول مہر، غالب، ۱۱۷۔
۱۰۱۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ’’ایک عاجزانہ التماس: کیا ہمیں اردو ادب کی ایک موزوں تاریخ نصیب ہو سکتی ہے؟‘‘، مشمولہ اردو ادب، (دہلی، شمارہ جنوری-مارچ، ۲۰۲۰ء)، ۹-۲۳۔
۱۰۲۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ’’ایک عاجزانہ التماس: کیا ہمیں اردو ادب کی ایک موزوں تاریخ نصیب ہو سکتی ہے؟‘‘، مشمولہ اردو ادب، ۹-۲۳۔
۱۰۳۔ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق، ۳۷۔
۱۰۴۔ قاضی عبدالودود، مآثرِ غالب: غالب کی کم یاب نظم و نثر کا مجموعہ، تصحیح و ترتیبِ جدید: حنیف نقوی، ۱۰۲۔
۱۰۵۔ تجلیات، ص ۱۹۶؛ بحوالہ حنیف نقوی، ’’حواشی بر حواشیِ قاضی عبدالودود‘‘، مشمولہ مآثرِ غالب، ۱۶۱۔
۱۰۶۔ قاطعِ برہان ملقب بہ درفشِ کاویانی و رسائلِ متعلقہ، مرتب: قاضی عبدالودود۔
۱۰۷۔ خطوطِ غالب، جلد اول و دوم، مرتبہ غلام رسول مہر، (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء)۔
۱۰۸۔ قاطعِ برہان ملقب بہ درفشِ کاویانی و رسائلِ متعلقہ، مرتب: قاضی عبدالودود، ۲۳۔
۱۰۹۔ ایضاً، ۲۶۔
۱۱۰۔ ایضاً، ۳۰۔
۱۱۱۔ ایضاً، ۳۱۔
۱۱۲ ایضاً، ۶۶۔
۱۱۳۔ ایضاً، ۸۳۔
۱۱۴۔ ایضاً، ۹۲۔
۱۱۵۔ ایضاً، ۳۵۔
۱۱۶۔ ایضاً، ۴۴۔
۱۱۷۔ ایضاً، ۴۸۔
۱۱۸۔ ایضاً، ۵۰۔
۱۱۹۔ ایضاً، ۸۸۔
۱۲۰۔ ایضاً، ۱۳۲۔
۱۲۱۔ خطوطِ غالب، جلد دوم، مرتبہ غلام رسول مہر، ۸۷۶۔
۱۲۲۔ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق، ۳۶۔
۱۲۳۔ قاطعِ برہان ملقب بہ درفشِ کاویانی و رسائلِ متعلقہ، مرتب: قاضی عبدالودود، ۸۲۔
۱۲۴۔ ’’لطائفِ غیبی‘‘، مشمولہ افاداتِ غالب، مرتبہ سید وزیر الحسن عابدی، (لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء)، ۱۱۔
۱۲۵۔ ’’سوالاتِ عبدالکریم‘‘، مشمولہ افاداتِ غالب، مرتبہ سید وزیر الحسن عابدی، ۱۵۔
۱۲۶۔ ’’تیغ تیز‘‘، مشمولہ افاداتِ غالب، مرتبہ سید وزیر الحسن عابدی، ۱۱۔
۱۲۷۔ ’’تیغ تیز‘‘، مشمولہ قاطعِ برہان ملقب بہ درفشِ کاویانی و رسائلِ متعلقہ، مرتب: قاضی عبدالودود، ۲۶۸۔
۱۲۸۔ نامۂ غالب بعد ازاں مجموعۂ نثرِ غالب اردو، مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی، ۱۸۶۔۱۸۵

۱۲۹۔ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق، ۳۶-۳۷۔

۱۳۰۔ شیخ محمد اکرام، حیاتِ غالب، ۲۱۴۔

۱۳۱۔ شیخ محمد اکرام، حیاتِ غالب، ۲۱۴۔

۱۳۲۔ شیخ محمد اکرام، حیاتِ غالب، ۱۱۵۔

۱۳۳۔ شیخ محمد اکرام، حیاتِ غالب، ۱۱۵۔

۱۳۴۔ شیخ محمد اکرام، حیاتِ غالب، ۱۱۶۔

۱۳۵۔ خطوطِ غالب، جلد دوم، مرتبہ غلام رسول مہر، ۱۱۵۔

۱۳۶۔ خطوطِ غالب، جلد اول، مرتبہ غلام رسول مہر، ۵۲۷۔

۱۳۷۔ خطوطِ غالب، جلد دوم، مرتبہ غلام رسول مہر، ۵۳۴۔

۱۳۸۔ خطوطِ غالب، جلد دوم، مرتبہ غلام رسول مہر، ۷۲۴۔

۱۳۹۔ خطوطِ غالب، جلد دوم، مرتبہ غلام رسول مہر، ۸۶۳۔

۱۴۰۔ خطوطِ غالب، جلد دوم، مرتبہ غلام رسول مہر، ۵۸۴۔

۱۴۱۔ "تیغ تیز"، مشمولہ افاداتِ غالب، مرتبہ سید وزیر الحسن عابدی، ۲۹-۳۰۔

۱۴۲۔ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق، ۱۸۔

۱۴۳۔ ایوب قادری، "غالب اور غیاث اللغات"، مشمولہ نقوش (لاہور)، غالب نمبر، شمارہ ۱۱۱، (فروری ۱۹۶۹ء)، ۵۰۷-۵۰۹۔

۱۴۴۔ ایوب قادری، "غالب اور غیاث اللغات"، مشمولہ نقوش (لاہور)، ۵۰۷-۵۰۸۔

۱۴۵۔ اکبر حیدری کشمیری، برہانِ قاطع، مشمولہ: کتاب شناسی، مرتب: اختر راہی و عارف نوشاہی، ۷۹۔

۱۴۶۔ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق، ۲۱۔

۱۴۷۔ اکبر حیدری کشمیری، برہانِ قاطع، مشمولہ: کتاب شناسی، مرتب: اختر راہی و عارف نوشاہی، ۷۹-۸۰۔

۱۴۸۔ نذیر احمد، غالب پر چند مقالے، ۱۰۴۔

۱۴۹۔ نذیر احمد، نقد قطعِ برہان: مع ضمائم، ۲۷۳۔

۱۵۰۔ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق، ۱۷۸-۱۸۰۔

۱۵۱۔ مرزا منور، "مرزا غالب اور عربی زبان"، مشمولہ نقوش (لاہور)، غالب نمبر، شمارہ ۱۱۱، (فروری ۱۹۶۹ء)، ۱۵۴-۱۶۳۔

۱۵۲۔ نذیر احمد، نقدِ قاطعِ برہان: مع ضمائم، 'ب'، ۲۷۲-۲۷۴، ۲۹۶۔

۱۵۳۔ خواجہ احمد فاروقی، "معرکۂ غالب و حامیانِ قتیل: ایرانی ہندی نزاع کی روشنی میں"، مشمولہ احوالِ غالب، مرتبہ مختار الدین احمد (دہلی: مکتبۂ جامعہ، ۱۹۵۳ء)، ص ۲۰۹-۲۰۴

۱۵۴۔ محمد یعقوب عامر، اردو کے ادبی معرکے، طبع اول (دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۲ء)، ۲۷۵-۲۸۰۔

۱۵۵۔ محمد یعقوب عامر، اردو کے ادبی معرکے، طبع اول، ۲۵۳۔

۱۵۶۔ محمد یعقوب عامر، اردو کے ادبی معرکے، طبع اول، ۲۷۵۔

۱۵۷۔ خواجہ احمد فاروقی، "معرکۂ غالب و حامیانِ قتیل: ایرانی ہندی نزاع کی روشنی میں"، مشمولہ احوالِ غالب، مرتبہ مختار الدین احمد، ۲۰۴۔

۱۵۸۔ خواجہ احمد فاروقی، ''معرکۂ غالب وحامیانِ قتیل: ایرانی ہندی نزاع کی روشنی میں''، مشمولہ احوالِ غالب، مرتبہ مختارالدین احمد، ۲۱۰۔

۱۵۹۔ قاطعِ برہان ملقب بہ درفشِ کاویانی و رسائلِ متعلقہ، مرتب: قاضی عبدالودود، ۶۲۔

۱۶۰۔ خطوطِ غالب، جلد دوم، مرتبہ غلام رسول مہر، ۵۸۴۔

۱۶۱۔ خطوطِ غالب، جلد دوم، مرتبہ غلام رسول مہر، ۴۱۷۔

۱۶۲۔ ایوب قادری، ''غالب اور غیاث اللغات''، مشمولہ نقوش (لاہور)، ۵۰۶ (حاشیہ)۔

۱۶۳۔ شیخ محمد اکرام، حیاتِ غالب، ۲۱۶۔

۱۶۴۔ امتیاز علی خاں عرشی، مرتب، مقدمہ، دیوانِ غالب (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۱ء)، ۴-۵۔

۱۶۵۔ شیخ محمد اکرام، حیاتِ غالب، ۲۰۲-۲۰۳، ۲۰۸۔

۱۶۶۔ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق، ۲۸۔

۱۶۷۔ قاضی عبدالودود، غالب بحیثیتِ محقق، ۱۹-۲۱۔

۱۶۸۔ مکاتیبِ حافظ محمود شیرانی، مرتبہ مظہر محمود شیرانی، طبع ثانی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۸ء)، ۲۶۲۔

۱۶۹۔ خواجہ احمد فاروقی، ''معرکۂ غالب وحامیانِ قتیل: ایرانی ہندی نزاع کی روشنی میں''، مشمولہ احوالِ غالب، مرتبہ مختارالدین احمد، ۲۰۹۔

۱۷۰۔ امتیاز علی خاں عرشی، مرتب، دیوانِ غالب (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۱ء)، ۳۹۲۔

۱۷۱۔ الطاف حسین حالی، یادگارِ غالب، ۴۴۔

۱۷۲۔ الطاف حسین حالی، یادگارِ غالب، ۴۵۔

۱۷۳۔ اطہر ہاپوڑی، اطہر ہاپوڑی (آپ بیتی)، مشمولہ نقوش، آپ بیتی نمبر (لاہور: جون ۱۹۶۴ء)، ص ۶۹۲۔

۱۷۴۔ الطاف حسین حالی، یادگارِ غالب، ۴۹۔

۱۷۵۔ شیخ محمد اکرام، حیاتِ غالب، ۲۱۵۔

۱۷۶۔ الطاف حسین حالی، یادگارِ غالب، ۴۹۔

۱۷۷۔ غلام رسول مہر، غالب، ۴۲۶-۴۳۴۔

۱۷۸۔ مالک رام، ذکرِ غالب، ۱۷۵-۱۸۵۔ نیز

مالک رام، ''غالب کے ادبی معرکے''، مشمولہ نقوش (لاہور) ادبی معرکے نمبر، جلد دوم، شمارہ ۱۲۷ (ستمبر ۱۹۸۱ء)، ۳۴۲-۳۶۴۔

۱۷۹۔ شوکت سبزواری، ''غالب اور اصولِ لغت نگاری''، مشمولہ صحیفہ (لاہور، جولائی ۱۹۶۹ء)۔

شوکت سبزواری، ''غالب محقق کی حیثیت سے''، مشمولہ، غالب فکر و فن (کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۱ء)، ۹-۵۴۔

۱۸۰۔ محمد باقر، ''پیش لفظ'' درفشِ کاویانی از مرزا اسد اللہ خاں غالب، ۱۷-۱۸۔

۱۸۱۔ شیخ محمد اکرام، حیاتِ غالب، ۱۹۶۔

۱۸۲۔ شیخ محمد اکرام، حیاتِ غالب، ۲۰۶۔

۱۸۳۔ شیخ محمد اکرام، حیاتِ غالب، ۱۹۵۔

۱۸۴۔ شیخ محمد اکرام، حیاتِ غالب، ۲۱۶۔

۱۸۵۔ مرزا منور، ''مرزا غالب اور عربی زبان''، مشمولہ نقوش (لاہور)، غالب نمبر، شمارہ ۱۱۱، ۱۵۴-۱۶۳۔

۱۸۶۔ *قاضی عبدالودود*، غالب بحیثیتِ محقق، ۱۷۸-۱۸۲۔ نیز *نذیر احمد*، غالب پر چند مقالے، ۱۱۱-۱۱۲۔

۱۸۷۔ *سید قدرت نقوی*، ''*مقدمہ*''، ہنگامۂ دل آشوب، ۱۲۔

۱۸۸۔ *محمد یعقوب عامر*، اردو کے ادبی معرکے، طبع اول، ۳۷۴۔

۱۸۹۔ *نذیر احمد*، نقدِ قاطعِ برہان: مع ضمائم، ۱۱۔

۱۹۰۔ *نذیر احمد*، نقدِ قاطعِ برہان: مع ضمائم، ۹۔

Bibliography

‘Alī, Āqā Muḥammad. Trans. Syed Sa‘īd Aḥmad. “Tārīkh-i Fārsī Lughat Navīsī.” *Urdu* (Karachi), Vol. 51, No. 3 (Jul–Sept 1975).

Browne, E.G. *A Literary History of Persia*. Vols. I & II combined. Delhi: Goodword Books, 2002.

Dā’ūdī, Khalīl al-Raḥmān, ed. *Majmū‘a-yi Nasr-i Ghālib Urdū*. Lahore: Majlis Taraqqī-yi Adab, 1967.

Fateḥpūrī, Farmān, *ed. Urdū Lughat (Tārīkhī Uṣūl par).* Karachi: Urdu Lughat Board, 1988.

Ghalib, Mirza Asadullah Khan. *Bāgh-i Do Dar*. Ed. Syed Wazirul Hasan Abidi. Lahore: Punjab University, 1968.

______. *Darfash-i Kāvyānī*. Ed. Muhammad Bāqir. Lahore: Punjab University, 1969.

Hali, Altaf Hussain. *Yādgār-i Ghālib*. Karachi: Idāra-yi Yādgār-i Ghālib, 1997. (Facsimile edition, orig. 1897).

Hassan, Akhtar. *Qutb Shāhī Daur kā Fārsī Adab*. Hyderabad: Abul Kalām Āzād Research Institute, 1973.

Ikram, Shiekh Muhammad. *Ḥayāt-i Ghālib*. Delhi: Jahāngīr Book Depot, n.d.

Kashmīrī, Akbar Ḥaidarī. *Burhān-i Qāṭi‘*. In *Kitāb Shanāsī*. Eds. Akhtar Rāhī and ‘Ārif Naushāhī. Islamabad: 1986. Issue 1.

Khānlarī, Zahrā’ī. *Farhang-i Adabiyāt-i Fārsī-yi Darī*. Tehran: Intishārāt-i Bunyād-i Farhang-i Īrān, 1348 Sh.

Mehr, Ghulām Rasūl, ed. *Qaṭ‘āt, Rubā‘iyāt, Tarkīb band, Tarjī‘ band, Mukhammas*. Lahore: Punjab University, 1969.

______. *Ghālib*. Lahore: Sheikh Mubārak ‘Alī, n.d.

Naqvī, Sayyid Qudrat. *Hangāmah-yi Dil Āshūb*. Karachi: Anjuman Taraqqī-yi Urdū, 1969.

Naqvī, Shehryār. *Farhang-i Jāmi‘: Fārsī bah Inglīsī wa Urdū*. Islamabad: Rāyizanī-yi Farhangī, Embassy of the Islamic Republic of Iran, 1382 Sh.

Raḥmān, Sayyid Mu‘īn al-. *Ishāriya-yi Ghālib*. Lahore: Punjab University, 1969.

Rām, Mālik. *Zikr-i Ghālib*. (No publication details available).

Sabri, Imdad. *Tārīkh-i Ṣaḥāfat-i Urdū*. Vol. 2. Calcutta: Ḥasan Zamān, n.d.

Sabzwari, Shaukat. *Ghālib: Fikr o Fun*. Karachi: Anjuman Taraqqī-yi Urdū, 1961.

Steingass, F. *A Comprehensive Persian-English Dictionary*. Lahore: Sang-e-Meel, 2000 (First published 1892).

Wudūd, Qāzī ‘Abdul, ed. *Qāṭi‘-i Burhān Malqab bah Darfash-i Kāvyānī wa Rasā’il-i Muta‘allaqa*. Patna: Idāra-yi Taḥqīqāt-i Urdū, 1967.

______. *Ghālib ba-Ḥaisiyat-i Muḥaqqiq*. Patna: Khudā Bakhsh Oriental Public Library, 1995.

______. *Ma’āṣir-i Ghālib*. Rev. ed. by Ḥanīf Naqvī. Karachi: Idāra-yi Yādgār-i Ghālib, 2000.